ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۳۰ دسمبر ۱۹۷۱ء - ۶ جنوری ۱۹۷۲ء



۲۲ خاندان
دولت دولت

فرید شوسی

اِک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھو

اِک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھو ——— اور آگے بڑھو
تم کو قسمت بدلنا ہے ہر کھیت کی
اس میں پوشیدہ ہے عظمتِ ملک بھی
سر اُٹھاؤ کمر اپنی کس کر چلو
اپنی قسمت کے خود آپ مالک بنو
اک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھو ——— اور آگے بڑھو

چمنیوں سے دُھواں یوں نکلتا رہے
بڑھ کے افلاس و غربت نگلتا رہے
اپنی محنت سے گھر گھر اُجالا کرو
اپنی قِسمت کے خود آپ مالک بنو
اِک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھو ——— اور آگے بڑھو

بام پر اِک نیا آفتاب آگیا
جس کی خواہش تھی وہ انقلاب آگیا
حق و انصاف کا بول بالا کرو
اپنی قسمت کے خود آپ مالک بنو
اِک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھو ——— اور آگے بڑھو

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد :- ۲ شمارہ :- ۲۳

۳۰ دسمبر ۷۱ء - ۶ جنوری ۷۲ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی بزمی

	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
بدلِ اشتراک	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی قطر: ۷۵ درم
سعودی عرب: ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح ۸۷ ڈی، نرسری کمرشل ایریا
پی، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر :- ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد - کراچی

عکاس : الطاف رانا

اداریہ

حکومتی عہدے الگ - پارٹی عہدے الگ

مسٹر بھٹو نے اقتدار سنبھال لیا ہے۔

یہ عمل انتہائی غیر معمولی اور نازک ترین حالات میں مکمل ہوا ہے۔ گوناگوں بحرانوں کے دوران ابھرنے والی مسٹر بھٹو کی شخصیت کو یہ منصب پاکستان کی تاریخ کے عظیم ترین بحران میں ملا ہے۔ ایک کڑی آزمائش ان کے روبرو کھڑی ہے۔ چاروں طرف مسائل ہی مسائل ہیں۔ مشرقی پاکستان پکار رہا ہے۔ بڑی طاقتیں منہ پھاڑے لپک رہی ہیں اندرون ملک سب کچھ دیوالیہ ہو چکا ہے۔

مسٹر بھٹو نے اس ذمہ داری کو نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ وہ آزمائش سے نمٹنے کے لئے پورے زور سے مصروف عمل ہو گئے ہیں۔ قوم کو سب سے پہلے فوجی وڈیروں سے نجات دلانے کے لئے بعض اہم اقدامات کئے ہیں ـــ ۱۶ اکتوبر ۵۱ء سے ۲۱ دسمبر ۷۱ء تک، بیس سال سے زائد۔ ملکی سیاست میں کھلم کھلا شریک ان جنرلوں کی برطرفی کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ وہ جنرل جنہیں عوام اپنا محافظ سمجھتے رہے اور جنہوں نے عوام کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، آج چھانٹی اور جبری برطرفیوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان کی طاقت کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے۔ ان کا نشہ دم توڑ رہا ہے اور وہ عوام کی زبردست نفرت اور تنقید کا نشانہ بن رہے ہیں۔

نئی حکومت نے ۲۲ خاندانوں کو بھی پابند کر دیا ہے۔ یہ خاندان سیاہ و سفید کے مالک رہے ہیں۔ ان کے پاسپورٹ ضبط کرنے کے احکامات نے عوام کو تاثر دیا ہے کہ وہ محاسبے سے بالاتر نہیں شاید انہیں شکنجے میں ہی جکڑ دیا جائے یا پھر یہ خاندان پہلے کی طرح اپنی نجات کا راستہ تلاش کر لیں۔ اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔ اتنا ضروری ہے کہ تمام وڈیروں ـــ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی اجارہ داریاں ہی ختم کر کے ملک کو اندرونی استحکام نصیب ہو سکتا ہے۔

مسٹر بھٹو نے بحیثیت صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مختلف ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جن شخصیات پر اعتماد کیا ہے، ان کی ذمہ داریاں بھی صدر مملکت سے کم نہیں ذرہ برابر غلطی خود غرضی، اقرباء پروری اور غیر دانشمندانہ اقدامات کے نتائج بہت برے ہوں گے۔ ان میں سے گورنر ہوں یا وزیر، مشیر ہوں یا کوئی اور، سب کو ثابت کرنا ہوگا کہ وہ اور ان کی تمام کوششیں ملک کے کروڑوں مظلوم عوام اور وطن کے استحکام کے لئے ہیں۔ ان کا محاسبہ ضروری اور انتہائی توجہ کا مستحق ہے۔ یہ ذمہ داری صرف اور صرف پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن ہی انجام دے سکتے ہیں۔

مسٹر بھٹو کو آج جس قدر مضبوط اور منظم پیپلز پارٹی کی ضرورت ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ فوری طور پر اس خلاء کو پورا کیا جائے۔ صدر مملکت خود اس جماعت کے بنیادی عہدے پر فائز ہیں۔ جن گورنروں اور وزیروں کو حکومت میں شامل کیا گیا ہے۔ وہ بھی پارٹی کے سیکرٹری جنرل سے لے کر دوسرے صوبائی اور شہری قیادت کے عہدوں پر مامور ہیں۔ کارکنوں کو ان حالات میں اپنی قیادت سے گہرا رابطہ رکھنا ہے ظاہر ہے کہ پیپلز پارٹی کے یہ کارکن جن کی اکثریت مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل ہے۔ مسٹر جے۔ اے۔ رحیم، شیخ رشید یا دوسرے عہدیداروں سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اسلام آباد نہیں جا سکتی وہ مقامی مسائل کو فوری طور پر پارٹی کی پالیسیوں کی روشنی میں حل کرنے کے لئے بے چین ہیں۔

ہمیں اس امر کا قوی احساس ہے کہ مسٹر بھٹو کے سامنے مسلم لیگ کا انجام ہے۔ نوابزادہ خان لیاقت علیخان سے بنیادی غلطی یہ ہوئی تھی کہ مرحوم نے مسلم لیگ کو ایک جیب میں اور دوسری میں وزارت عظمیٰ ڈال لی تھی۔ اس

کا حشر سب کے سامنے ہے۔ مسلم لیگ نے اس کا خمیازہ اتنا بڑا بھگتا ہے کہ تاریخ نے سیاست کا پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیا۔ نوابزادہ صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سربستہ راز ہے تاہم ان کے بعد لیگی رہنماؤں نے سخت نااہلی کا ثبوت فراہم کیا۔ پہلے بیوروکریسی نے ان سیاست دانوں کو چت کیا۔ پھر جرنیلوں کی بن آئی اور ایوب خان کھل کر سامنے آئے۔ شروع دن سے ہی ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جانے کے لئے نہیں آئے۔ ایسا ہی ہوا۔ موصوف نے وردی اتار کر سیاستدان کا چولا زیب تن کیا مردہ مسلم لیگ میں جان ڈالی اور جنرل سے وہ پاکستان مسلم لیگ کنونشن کے صدر بن گئے۔ وہ ملک کے صدر بھی تھے اور مسلم لیگ کے بھی۔ اس جماعت کو پولیس افسروں نے چلایا اور اس کا انجام بھی سب کے سامنے ہے۔

پیپلز پارٹی کا آج تک جو ڈھانچہ رہا ہے، وہ مسٹر بھٹو کی ذات تک محدود ہے یعنی پیپلز پارٹی کا اول اور آخر نام ذوالفقار علی بھٹو ہے جس کسی نے انتخابات میں کوئی نشست پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر جیتی ہے اس میں متعلقہ شخصیت کا دخل صرف اتنا ہے کہ اسے مسٹر بھٹو کی نمائندگی حاصل تھی۔ یہ صورت حال مسٹر بھٹو کو خود گوارہ نہ ہوگی۔ ایک مضبوط پارٹی ہی انہیں کوہ ہمالہ سے بڑا بنا سکتی ہے البتہ پارٹی کے کارکنوں کو آگے بڑھ کر اپنے چیئرمین کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے اس ضمن میں ممکن ہے بعض عہدہ پرست اور خوشامدی یہ منطق پیش کریں کہ پارٹی کا محاذ تبدیل ہو گیا ہے، اس کے عہدیدار اقتدار میں آکر عوام کے زیادہ قریب ہیں اور وہ بہتر خدمت انجام دے رہے ہیں اور موجودہ حالات میں جب کہ یہ عارضی انتظامات ہیں، پارٹی کو منظم کرنے کا سوال ابھی نہ اٹھایا جائے۔ ملک کو بچانے کی بھاری ذمہ داریوں سے نمٹنے کے بعد یہ بھی ہو جائے گا ابھی اس سے بھی اہم مسائل درپیش ہیں وغیرہ وغیرہ۔

خوشامدیوں اور مفاد پرستوں کی یہ منطق بالکل ایسی ہی ہوگی جیسا کہ یحییٰ صاحب جمہوریت کی بحالی کے لئے ٹال مٹول اور بہانوں سے کام لیتے تھے، یہ لوگ پیپلز پارٹی کے نادان دوست سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ ممکن ہے ان میں پارٹی کے دشمن بھی شامل ہوں الفتح پیپلز پارٹی کے منشور کی حمایت میں اٹھنے والی یقیناً پہلی آواز کی حیثیت رکھتا ہے۔ مصائب و مشکلات

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

سنو! آواز آرہی ہے

اپنے دلوں میں جھانکو اور اپنے ضمیر کو ٹٹولو

احتساب - ہر مقام پر - احتساب ہر کسی کا

سامع

سنو آواز آرہی ہے۔

ہم ایک نیا اور عظیم پاکستان بنائیں گے۔ جہاں مزدور صدر مملکت سے سوال کرے گا کہ اپنی دولت کا حساب دو تمہاری یہ دولت صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے وقت کتنی تھی؟ صدر مملکت کو اپنے اثاثے کی تفصیل سے نہ صرف مزدور کو مطمئن کرنا ہوگا۔ بلکہ پوری قوم کو بتانا ہوگا کہ بھٹو کی مالی حیثیت کیا ہے تاکہ بھٹو کے نام پہ کوئی بدنما داغ نہ لگے۔

یہی سوال ممتاز سے، کھر سے، شیرپاؤ اور رئیسانی سے ہوگا۔ یہ احتساب کا پہلا عمل ہے۔ جس کی دعوت خود صدر مملکت نے دی ہے "تم جہنم میں جاؤ۔ میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔ تم جہنم میں جاؤ میں تمہیں نہیں مانتا" لیکن صدر مملکت کے الفاظ میں، نئے پاکستان کی تعمیر میں احتساب سے کوئی نہ بچنے پائے گا۔ اور اس احتساب کی جوابدہی کا آغاز صدر مملکت خود کریں گے۔ ان کے کاندھوں پر بڑی ذمہ داری ہے۔ انہیں سب سے پہلے اپنا احتساب خود کرنا ہے۔ تاکہ ان کی دیانت کے ثبوت اور امانت کے بار پہ ہر کارکن، ہر مزدور ہر ٹھیلے والا اور ہر محروم فخر سے سربلند کر سکے کہ عوام کے نمائندہ راج میں جہاں کہیں بھی وہ ہے ہر ایک کو اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے ہر آن تیار رہنا ہوگا۔

یہ احتساب گھر سے شروع ہونا چاہیئے صدر مملکت نے جن لوگوں کو کاروبار مملکت میں مرکز یا صوبوں میں شامل کیا ہے انہیں صدر مملکت کی پیروی میں اپنے اثاثوں کی تفاصیل سے طالب علموں، مزدوروں، کسانوں کو آگاہ کرنا ہوگا۔

ہم اپنی زندگی از سر نو شروع کر رہے ہیں ایک نئے اور عظیم پاکستان کے لئے یہ ایک عظیم الشان فقید المثال روایت ہوگی۔ اور یہ روایت صدر مملکت اپنی پہلی فرصت میں ذوالفقار علی بھٹو سے قائم کروائیں گے۔ تاکہ ہر ممتاز، ہر کھر، ہر شیرپاؤ اور ہر رئیسانی تقلید کر سکے۔

اور اس عمل کو صدر مملکت پاکستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک تیز کریں۔ اس کی لپیٹ میں بلند و پست بھی آجائیں

یہ سوال سیدنا ابو بکر سے بھی ہوا تھا۔ سیدنا عمر سے بھی ہوا تھا۔ سیدنا عثمان سے بھی ہوا تھا۔ سیدنا علی بھی نہ بچ سکے ہماری تاریخ میں خود احتسابی کی یہ عظیم مثالیں ہیں جن کی سچائی اور صداقت کو کوئی بھی نہ جھٹلا پایا۔ یقیناً صدر مملکت کا اشارہ انہی بدوؤں کی طرف تھا جنہوں نے احتساب کی آواز پر بلا خوف و خطر لبیک کہی تھی، اور خلفاء نے ہمیشہ سر تسلیم خم کیا

سنو یہ آواز دردمند دلوں کی آواز ہے، مخلص کارکنوں کی ہے۔ صدر مملکت کو کامیاب بنانے کے لئے جی جان کی بازی لگانے والوں کی ہے، مزدور کی آواز ہے۔ کسان کی آواز ہے۔ طالب علم کی آواز ہے۔ ہاتھ سے کام کرنے والے کی آواز ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو سے والہانہ پیار کرنے والوں کی آواز ہے۔ یہ پیاروں کی آواز ہے، یہ بے لوث آواز ہے، یہ بے غرض آواز ہے۔

سنو، اس آواز پر توجہ دو، شاید منافق اس آواز کو غلط رنگ دیں۔ لیکن یہ آواز ہر خوف سے بلند ہے، کیونکہ صدر مملکت نے کہا ہے کہ مجھے ایک ایسی جمہوریت قائم کرنی ہے جس میں ایک عام آدمی مجھے ٹوک سکے۔ میری پکڑ اور گرفت کر سکے۔

اور ہر عام آدمی آج پوچھ رہا ہے کہ تبدہ مزدور کے اوقات تلخ کرنے والوں کا احتساب ہر بات سے مقدم ہے۔ درس گاہوں سے بلند بنکوں کی عمارات میں بیٹھنے والوں نے اپنے ملکی اور غیر ملکی اثاثے ابھی تک کیوں ظاہر نہیں کئے۔ یہ پاکستان میں کیا لائے تھے۔ پاکستان سے انہوں نے کیا لیا۔ یہ پاکستان کا

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

وزراء اسلام آباد سے کارکنوں کو لائن دے رہے ہیں

احوالِ واقعی

حکومت کے انتظامی ڈھانچے کے مقابلے میں

ایک متوازی عوامی ڈھانچے کی ضرورت

محمود شام

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے مطابق پاکستان میں عوامی انقلاب آگیا ہے۔

سرمایہ داروں کے اخبارات بھی ایسی ہی خبریں سنا رہے ہیں کہ ان کا پیشہ ہمیشہ چڑھتے سورج کو سلام کرنا رہا ہے۔

مسٹر بھٹو کے سب سے بڑے نکتہ چیں پیر علی محمد راشدی نے بھی اعتراف کرلیا کہ مسٹر بھٹو صحیح کہتے رہے اور ہم غلط تھے۔

انقلابات زمانہ ہیں۔ یہ اخبارات اور چغادری سیاسی مبصرین قوم کو پہلے سے کبھی خبردار نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک عین تباہی کے کنارے کھڑا ہوتا ہے اور یہ سب ٹھیک ہے کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں۔ ایوبی آمریت کے دور میں یہی ہوا، یحییٰ ٹولے کے زمانے میں بھی یہی ہوا۔ "الفتح" کو فخر ہے کہ مارشل لاء اور ہر قسم کے عتاب کے باوجود ہم نے یحییٰ ٹولے کے ہر وطن دشمن اور قوم دشمن اقدام کی مذمت کی، "الفتح" کے وسائل محدود تھے لیکن عوام کی حمایت حاصل تھی۔ اس حق گوئی میں ہم نے کسی سیاسی پارٹی کی حمایت بھی حاصل نہیں کی، اصولوں پر اپنی بنیاد رکھی، جو صحیح جانا اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا۔ پیپلز پارٹی کی اگر حمایت کی تو اس کے منشور کی، شخصیتوں کی نہیں۔ اور نہ ہی اس سے بے جا توقعات وابستہ کیں۔

اب جن حالات میں پیپلز پارٹی کو اقتدار ملا ہے۔ ان کی سنگینی کے باعث یہ اقتدار کانٹوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ پاکستان کا بڑا حصہ ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے، ہماری پیشانیوں پر فخر کی بجائے شکست کے آثار ہیں، دلوں میں مایوسیاں ہیں، خزانہ خالی ہے، بیرونِ ملک ہماری عزت ختم ہو چکی ہے، سنہ ۱۹۵۱ء کے بعد سے پاکستانی قوم کو جن ابتر سے ابتر حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آج پیپلز پارٹی کو اقتدار کے ساتھ ان بھیانک اغلاط کا ورثہ بھی ملا ہے، ایک گلا سڑا نظام ہے، اور اس نظام کو سہارا دینے والے انتہائی مسخ چہروں والے بیوروکریٹ ہیں، ایک طرف شکست خوردہ قوم ہے کہ جو ملبے کا ڈھیر ہے اور دوسری طرف اس بوسیدہ نظام کا تانا بانا ہے۔ ان سب سے بقول مسٹر بھٹو "تنکے تنکے چن کر ایک نیا پاکستان تعمیر کرنا ہے"

۱ - یہ نیا پاکستان، جس میں گذشتہ ۲۳ برس کی غلطیوں کا ازالہ بھی ہونا ہے۔

۲ - بدترین شکل کے سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ نظام پر کاری ضربیں لگا کر اسے فلاحی نظام میں بدلنا ہے۔

۳ - بدعنوان بیوروکریسی کو قومی خدمت کے راستے پر ڈالنا ہے

۴ - فوج جو گذشتہ تیرہ سال سے حکومت پر قابض رہی اور سیاست میں جس کا عمل دخل رہا۔ اس کے دماغ سے سیاست آرائی کا بھوت نکالنا ہے۔

۵ - برسوں سے پستے ہوئے عوام میں عزت نفس پیدا کرنا ہے

گذشتہ چند دنوں میں صدر بھٹو نے جو احکامات جاری کئے ہیں، ان سے بلاشبہ پوری قوم میں ایک اعتماد کی لہر دوڑی ہے اور قوم جو ایک خوفناک سازش کے نتیجے میں رونما ہونے والی بدترین شکست کے المناک صدمے سے نڈھال تھی؛ اس میں خود اعتمادی کی قوت پیدا ہوئی اور حوصلے بلند ہوئے۔ مشرقی پاکستان کے المیے کے سلسلے میں ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ جس کے صدر پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن ہیں۔ ان کے ساتھ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس انوار الحق، سندھ بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس طفیل علی عبدالرحمٰن کمیشن کے ارکان ہیں اس کمیشن کو مکمل اختیارات دیئے گئے ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ قوم کے سامنے وہ تمام سازشی کردار آجائیں گے، جن کی وجہ سے ہمیں اس ناقابل برداشت صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان کو غارت گر بھارت سے واپس لینے کے لئے بھی کوششیں تیز تر کرنا ہوں گی۔

مسٹر بھٹو ملک کے اس حصے میں جو اقتصادی تبدیلیاں لا رہے ہیں اور جن بدعنوان شخصیتوں کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں۔ اور خاص طور پر ۲۲ خاندانوں پر جو کاری ضرب لگا رہے ہیں اس سے مشرقی پاکستان کے عوام کے دل میں بھی یقیناً ایک اچھا تاثر پیدا ہوگا۔ کیونکہ یہی وہ لوگ تھے، جو ان کا استحصال کرتے رہے اور جن کے استحصال کو بنیاد بنا کر مفاد پرست طبقے نے مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلائی۔

اس وقت ہمیں پیپلز پارٹی اور خاص طور پر مسٹر بھٹو کے سر پر ایک ہمالیہ پہاڑ معلق دکھائی دیتا ہے اس بوجھ کو صدر بھٹو اپنے وزیروں اور سیکرٹریوں کے ذریعے نہیں ہٹا سکتے بلکہ اس بوجھ کو پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو اپنی پارٹی کے کارکنوں اور عوام کی مدد سے ہٹا سکتے ہیں، کیونکہ ان کو سرکاری مشینری کا جو ڈھانچہ مل رہا ہے یہ وہی ڈھانچہ ہے۔ جو گزشتہ ۲۳ برس سے قائم ہے جس نے ملک کو اس نوبت تک پہنچایا اس ڈھانچہ نے ایوبی آمریت کو مستحکم کیا۔ اس ڈھانچے نے یحییٰ ٹولے کو تین برس تک اس ملک کے ناموس اور عوام کی تقدیر سے کھیلنے دیا۔ اس ڈھانچے کو بالکل ختم نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ایک مضبوط عوامی ڈھانچے کے ذریعے اس بیوروکریسی ڈھانچے پر ضربیں لگائی جاسکتی ہیں۔ اور اس کے پھن سے زہر نکالا جاسکتا ہے۔ یہ عوامی ڈھانچہ پیپلز پارٹی کی مضبوط تنظیم ہو سکتی ہے۔ یہ نہایت ہی خطرناک امر ہے کہ صدر بھٹو اپنی حکومت کو موثر اور مضبوط بنانے کے لئے پارٹی کے زیادہ سے زیادہ [illegible]

بیوروکریسی کے پھن سے زہر نکالا جا سکتا ہے

افراد کو حکومت کے ڈھانچے میں شامل کئے جا رہے ہیں اور پارٹی کو بے سہارا چھوڑ رہے ہیں، حکومت کے انتظامی ڈھانچے کے مقابلے میں ایک متوازی عوامی ڈھانچہ قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ سن ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی عوامی کامیابی کے فوراً بعد میں نے جناب بھٹو سے جو انٹرویو لیا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ پارٹی کے جو لوگ سرکاری عہدوں پر چلے جائیں گے وہ پارٹی کے عہدوں پر نہیں رہیں گے۔ پارٹی کی تنظیم اور حکومت کی تنظیم بالکل الگ الگ رہے گی۔ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی میں بھی یہ بات طے ہو چکی ہے، اب اس کے پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ پارٹی کے سیکرٹری جنرل مسٹر جے اے رحیم کے وزارت میں چلے جانے کے بعد اب مسٹر بھٹو کے بعد کوئی شخصیت ایسی نہیں رہ گئی جو پارٹی کے کارکنوں میں اتنی با اثر اور مقبول ہو۔ معراج محمد خان کے متعلق بھی سنا جا رہا ہے کہ وہ صدر کے مشیر مقرر کئے جا رہے ہیں۔ اس طرح پارٹی بالکل ختم ہو کر رہ جائے گی۔ سرکاری عہدوں پر چلے جانے کے بعد بڑے سے بڑے مخلص آدمی بھی مصلحت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چاروں طرف بدعنوانیوں کا غلبہ ہوتا ہے، ان کی زد میں آنا ناگزیر ہوتا ہے۔

اس لئے فوری طور پر ضرورت اس امر کی ہے کہ پارٹی کے تمام عہدیداروں اور کارکنوں کا ایک ملک گیر کنونشن بلایا جائے۔ اس میں پارٹی کے نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔ اس کے بعد پورے ملک کی برانچوں کے انتخابات ہوں، پارٹی کی ہائی کمان نئے سرے سے منتخب ہو جس میں سرکاری عہدہ رکھنے والا کوئی شخص نہ ہو، یہ ہائی کمان ہر وزارت کے مطابق پارٹی کے ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کرے۔ جو ان موضوعات سے متعلق امور کا جائزہ لے، متعلقہ وزیر اپنے سیکرٹریٹ کی بجائے پارٹی کی اس کمیٹی کی رپورٹوں اور سفارشات پر غور کرے کیونکہ اس کمیٹی کا رابطہ براہ راست عوام سے ہوگا۔ اس لئے اسے مسائل کا صحیح طریقے سے علم ہو سکتا ہے، اور اس کی رپورٹ غیر جانبدارانہ اور سفارشات حقائق پر مبنی ہو سکتی ہیں پارٹی کی تمام برانچوں کو ہفتہ وار میٹنگیں کر کے انتقادی رپورٹیں مرتب کرنی چاہئیں، شہری سطح پر تنظیمیں پندرہ روزہ میٹنگ منعقد کریں۔ اور ضلعی سطح پر میٹنگ ہر مہینے منعقد ہو۔ اس کے بعد صوبائی سطح پر میٹنگ ہر دو مہینے بعد ہو۔ اور ہر تیسرے مہینے بین الصوبائی عہدیدار آپس میں مل کر رپورٹوں کا تبادلہ کریں اور یوں ہر دو مہینے بعد متعلقہ وزارتوں کو ہدایات اور سفارشات بھیج دی جائیں۔ اس طرح وزیروں اور سرکاری عہدیداروں کو پارٹی کے عہدیداروں کے تابع ہونا چاہیئے کیونکہ طاقت کا سرچشمہ عوام میں اور عوام سے براہ راست رابطہ پارٹی کے کارکنوں اور عہدیداروں کا ہے۔

ایک خطرناک رجحان یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض وزرائے کرام پارٹی کے عہدیداروں کو ہدایات بھیج رہے ہیں کہ وہ مختلف مسائل پر کیا لائن اختیار کریں۔ یہ بالکل غلط سلسلہ ہے۔ وزرائے کرام کو عوامی رجحانات کا علم نہیں ہوتا۔ اس لئے انہیں ہدایات جاری کرنے کا اختیار نہیں رہنا چاہیئے۔

ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی ریڈیو ٹیلی ویژن اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں کے سلسلے میں بھی قائم کی جانی چاہیئے۔ اس ملک میں گذشتہ گلے سڑے نظام کو سہارا دینے میں سب سے نمایاں کردار نشر و اشاعت کے ذرائع نے دیا ہے۔ ان پر سرمایہ داروں کا قبضہ ہے اور ایوبی آمریت نے بہت سے اخبارات کو باقاعدہ خرید لیا تھا۔ نیشنل پریس ٹرسٹ اس سلسلے کی کوشش ہے۔ پیپلز پارٹی نیشنل پریس ٹرسٹ توڑنے کے سلسلے میں باقاعدہ وعدہ کر چکی ہے۔ اور اس کا قیام اس کے منشور کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے پھر اپریل ۱۹۷۰ء کی ہڑتال میں اس وقت کے وزیر اطلاعات نواب زادہ شیر علی خاں کی ذاتی دلچسپی سے بے شمار عوام دوست صحافیوں کو برطرف کر دیا گیا تھا۔ یہ اس نظام کی حمایت کی پاداش میں نکالے گئے تھے، جس نظام کے قائم کرنے کا وعدہ پیپلز پارٹی کرتی ہے۔ اس ہڑتال کے شکار ہونے والے بہت سے صحافی اب تک بے روزگار ہیں۔ ان کی فوری طور پر اپنی ملازمتوں پر واپسی بہت ضروری ہے۔ یہ صحافی حق گو ہیں یہ عوام کے حقیقی مسائل سامنے لاتے ہیں کسی حکومت کو بے خبر نہیں رکھتے، اس لئے ان کا اخبارات میں واپس جانا اس ملک میں صحیح نظام کے سلسلے میں انتہائی فعال کردار ادا کر سکتا ہے۔

اس وقت بیرون ملک سفارت خانے۔ بہت سے مشرقی پاکستانی افسروں کے چلے جانے کے باعث بے اثر ہو گئے ہیں۔ ان سفارت خانوں میں محب وطن، قابل اور عوام دوست افراد کا جانا ضروری ہے۔ اس وقت بے شمار اہل افراد بے روزگار ہیں، ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے بہت سے صحافیوں کی خدمات کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت حکومت چلانے کے لئے پارٹی کے عوامی ڈھانچے کا قیام از حد ضروری ہے۔ اور یہ فوری طور پر عمل میں آنا چاہیئے۔

بے گھر افراد کی آبادکاری

کراچی میں بے گھر افراد کی آبادکاری ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ اور یہ مسئلہ دن بدن شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ بیرونی علاقوں سے کراچی میں انتقال آبادی کے علاوہ ہر سال یہاں ۶۰ ہزار بچے پیدا ہوتے ہیں حکومت نے اگرچہ اس سلسلے میں کوششیں کی ہیں لیکن وہ بڑی محدود ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پرائیویٹ سیکٹر میں اس مسئلے کے حل کے لئے کوششیں کی جائیں۔ یوں تو کراچی میں سینکڑوں ہاؤسنگ سوسائٹیاں بن گئی ہیں لیکن وہ اپنی ساخت میں پیچیدگیوں کے سبب نہ ہونے کے برابر ہیں کراچی میں آبادکاری کے سلسلے میں ایک نئے ادارے "سلمان لمیٹڈ" نے اس سلسلے میں کئی اسکیمیں شروع کی ہیں جو بڑی جامع اور مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اس ادارے نے پلاٹ قسطوں پر دینے شروع کئے ہیں جو اتنی کم ہیں کہ ہر شخص بڑی آسانی سے یہ قسطیں ادا کر سکتا ہے۔ اس ادارے نے اپنی اسکیموں میں فوجی بھائیوں کے لئے اتنی عظیم رعایت رکھی ہے جسے بڑے احترام سے دیکھا جانا چاہیئے جنگ سے پہلے جن فوجیوں نے پلاٹوں کی ایک تہائی رقم دی تھی اس ادارے نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ان سے ان پلاٹوں کی مزید کوئی قیمت نہیں لی جائے گی، یہ ایک ایسی مثال ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ کراچی۔ میں ترقیات سے متعلق کام اداروں کو ہدایات جاری کرے۔ کہ وہ ایسے عظیم ادارے سے تعاون کرے تاکہ بے گھر افراد کی آبادکاری کا کام تسلی بخش طور پر جاری رہے۔ اس لئے کہ یہ واحد ادارہ ہے جس نے منفعت اور جلب زر سے ہٹ کر اس مسئلہ کے حل کی جانب سوچا ہے۔

مسٹر معراج محمد خان سے ایک ملاقات

اسمبلی سے باہر عوامی اقتدار کے رکھوالے

انٹرویو : وہاب صدیقی

بھٹو صرف سوشلزم کے ذریعے ہی عوامی مشکلات حل کر سکتے ہیں



ہم زونل فیڈریشن

قائم نہیں ہونے دیں گے

معراج محمد خان کا تعلق ان چند رہنماؤں میں سے ہے۔ جنہیں محنت کش عوام اپنے طبقے سے جنم دیتے ہیں۔ ایسے رہنما وقت کے تیز رو دھارے کے ساتھ ساتھ کڑی آزمائشوں سے گذرتے ہیں۔ یہ لحاظ کے تنہائی اور شب تار کے دشمن دار و رسن کے مرحلوں سے گذرتے ہیں۔ یہ عوام کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ اور عوامی درس گاہ سے انقلاب عوامی انقلاب کا سبق حاصل کرتے ہیں۔ معراج بائیں بازو کی سیاست میں ایک الگ سب سے علیحدہ اور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ان کا یہ مقام عوام کا سونپا ہوا ہے۔ اسی لئے دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں انہوں نے حصہ نہیں لیا۔ اور اعلانیہ کہا کہ میں اسمبلی سے باہر رہ کر احتساب کے دروازے کھلا رکھوں گا۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات کو ایک فراڈ قرار دیا تھا آج حالات نے ان کی بات کو صحیح ثابت کر دیا۔

۲۰۔ دسمبر کو ایک بجے کا وقت تھا جب میں انٹرویو لینے کے لئے معراج محمد خان کے گھر پہنچا وہ پنڈی جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ انہیں ڈھائی بجے کی پرواز سے جانا تھا۔ کہنے لگے "جو کچھ پوچھنا ہے جلدی پوچھ لو۔ وقت بہت کم ہے۔"

سوال تھا کہ آپ کی پارٹی نہایت ہی غیر مساعد حالات میں اقتدار سنبھال رہی ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پارٹی حالات سے نمٹ سکے گی؟ معراج محمد خان کہنے لگے "حالات واقعی بہت خراب ہیں اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے ملک کا دیوالیہ ہو چکا ہے۔ زرمبادلہ کا ذخیرہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ مغربی پاکستان خصوصاً کراچی کے تقریباً تمام کارخانے یا تو بند ہیں۔ یا پھر بہت کم مال تیار کر رہے ہیں۔ لاتعداد مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا ہے۔ ہزاروں ہاری اور کسان بے دخل کر دیئے گئے ہیں۔ بے روزگاری اپنی انتہا پر پہنچ چکی ہے۔ معاشی اعتبار سے ملک تباہ ہو چکا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہماری پارٹی تمام حالات پر بخوبی قابو پالے گی۔ کیونکہ ہماری پارٹی کا اقتصادی پروگرام سوشلزم کے اصولوں پر مبنی ہوگا۔ سائنسی سوشلزم عوام کو خوشحال اور خوش و خرم کی ضمانت دیتا ہے۔ محنت کا پورا پورا معاوضہ ملتا ہے عوام کو کل کی فکر سے نجات دلاتا ہے اس لئے مزدور، کسان اور محنت کش عوام نہایت عزم و استقلال سے محنت کرتے ہیں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ ہماری پارٹی سوشلزم کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم تمام سیاسی اور اقتصادی دشواریوں پر قابو نہ پا سکیں۔ صرف اور صرف سوشلزم کے اصولوں پر عمل کر کے ہی موجودہ بحران پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

میرے دوسرے سوال کہ آپ کی پارٹی کی حکومت کو سب سے پہلے کس مسئلے کو حل کرنا چاہیئے؟ اس کے جواب میں معراج نے کہا کہ سب سے سنگین اور فوری توجہ طلب مسئلہ نوکر شاہی کا ہے۔ پاکستان کی نوکر شاہی عوامی استحصال میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ساتھ برابر کی شریک ہے درحقیقت پاکستان کے ۲۴ سال نوکر شاہی کے دور اقتدار سے عبارت ہیں اور نوکر شاہی بھی کون سی، جو برطانوی نوآبادکاروں کی پروردہ ہے۔ جس کی لغت میں عوام اس حقیر کیڑے کو کہتے ہیں۔ جسے سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دینا چاہیئے۔ جس کے پاس ان کے خیال میں فہم ہوتی ہے۔ نہ ادراک، شعور ہوتا ہے اور نہ سیاسی بصیرت، قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی نوکر شاہی نے اپنی جڑیں مضبوط کرنی شروع کر دی تھیں۔ غلام محمد وزیر خزانہ بنائے گئے چوہدری محمد علی مرکزی چیف سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوئے۔ دونوں انڈین اکاؤنٹس سروس سے متعلق تھے۔ دونوں نے نوکر شاہی کے اقتدار کی راہ ہموار کی۔ پھر غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔ اور چوہدری محمد علی وزیر خزانہ، اور ایک وقت ایسا بھی آیا۔ نوکر شاہی کا ایک کل پرزہ اسکندر مرزا گورنر جنرل اور بعد میں صدر پاکستان کی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ اور چوہدری محمد علی وزیر اعظم بن گئے۔ گویا عنان حکومت مکمل طور پر نوکر شاہی کی گرفت میں آگئی۔ ایوبی دور اور یحییٰ کے عہد حکومت میں بھی نوکر شاہی اس ملک کی اصل حکمران رہی ہے۔ عوام کا خون اس طبقے کی رگ رگ میں بس گیا ہے، یہ طبقہ ہمارے سوشلسٹ اقتصادی پروگرام میں سب سے

ہمارا پہلا وار نوکر شاہی پر ہوگا



بڑی رکاوٹ ثابت ہوگا۔ اس لئے ہم سب سے پہلے اعلیٰ عہدوں سے بدعنوان اور عوام دشمن حکام کو برطرف کریں گے۔ ہمیں عوام کے خادموں کی ضرورت ہے حاکموں کی نہیں"۔

انہوں نے کہا کہ "اس کے ساتھ ساتھ ہمارا سب سے پہلا کام جاگیردارانہ اور زمین دارانہ سماج کو ڈھا کر ہاریوں اور کسانوں کو زمینوں کا مالک بنانا ہوگا۔ پاکستان کی ۸۰ فی صد آبادی کسانوں پر مشتمل ہے۔ اس لئے جب تک ہم زرعی انقلاب برپا نہیں کریں گے اس وقت تک ملک کی اقتصادیات کو بہتر بنانا ناممکن ہے۔ ہمارا زرعی انقلاب ایوبی زرعی اصلاحات کی طرح نہیں ہوگا۔ حقیقی معنی میں زرعی انقلاب ہوگا۔ تمام بڑی زمین داریاں ختم کر دی جائیں گی۔ کسی کے ساتھ کوئی رعایت برتی نہیں جائے گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ شہروں میں تمام اجارہ دار سرمایہ داریاں ختم کر دی جائیں گی۔ مزدوروں کے لئے ایسے قوانین اور اصول مرتب کئے جائیں گے جس کے ذریعے ہر محنت کش کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ مل سکے۔ اب مزدوروں کو لیبر کورٹ کے چکر لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی بھی مل مالک کو "تالہ بندی، مزدوروں کو برطرف کرنے، چھانٹی کرنے یا پیداوار کم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اگر کسی مل مالک نے ایسی حرکت کی تو اس کا سختی سے احتساب کیا جائے گا اور مل مزدوروں کے کنٹرول میں دے دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ مزدوروں کے لئے عام اصلاحات کی جائیں گی۔ رہائشی مکانات دیئے جائیں گے، فنی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ اور اس کے بچوں کی تعلیم کے اخراجات مل کی انتظامیہ کو ادا کرنے ہوں گے، ہر مل کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ مزدوروں کیلئے رہائشی مکانات طبی سہولتوں، کھیل کے میدانوں اور اسکولوں کا انتظام کرے۔ تاکہ یہ دست دولت آفریں باوقار اور مہذب زندگی بسر کر سکیں۔ معراج نے کہا کہ تعلیمی دنیا میں بھی سوشلزم کی بنیادوں پر انقلابی اصلاحات کی جائیں گی۔ روزگار کی ضمانت دی جائے گی تاکہ فارغ التحصیل طلبہ ڈگریاں لئے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے نہ پھریں۔

مشرقی پاکستان کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے معراج نے کہا کہ مشرقی پاکستان کا ناقابل تقسیم حصہ ہے گذشتہ ۲۴ سال کے سرمایہ دارانہ استحصال اور سیاسی غلطیوں کی وجہ سے اس پر بھارتی توسیع پسندوں نے قبضہ کر لیا ہماری پارٹی کی قومی ذمہ داری ہو گی کہ ہم مشرقی پاکستان کو بھارتی توسیع پسندوں کے چنگل سے آزاد کرائیں۔ مشرقی پاکستان کے عوام کو بھارتی تسلط سے آزاد کرانے کے بعد ہم ماضی کی غلطیوں کا اعادہ نہیں کریں گے میرے خیال میں مغربی پاکستان کے استحصالی طبقے کافی سبق حاصل کر چکے ہیں۔ اب مشرقی پاکستان کے عوام اپنی قسمت کے خود مالک ہوں گے۔ مشرقی حصے کے تمام ذرائع پیداوار اور وسائل دولت کے مکمل حاکم بنا دیئے جائیں گے۔ ہم مشرقی پاکستان کے عوام کو بتائیں گے کہ ہمارے عوام کی بھی حالت ان سے بہتر نہیں دونوں استحصال کا شکار ہیں دونوں کا ایک ہی مشترکہ دشمن ہے یعنی سرمایہ دار ہم مشرقی پاکستان کے بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف جدوجہد کریں گے اور اپنے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں گے۔ دونوں بازوں کے مظلوم اور محنت کش عوام کا اتحاد ہی پاکستان کو متحد اور قائم رکھ سکتا ہے۔

معراج محمد خان نے اس سوال کے جواب میں کہ مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں میں ہم آہنگی اور عدم توازن دور کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ کہا کہ چاروں صوبوں کو مکمل سیاسی اور اقتصادی خود مختاری دینی ہوگی۔ صوبائی استحصال کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہر صوبے کے عوام اپنے ذرائع پیداوار اور وسائل دولت کے مالک ہوں گے۔ مشرقی پاکستان کے المیے نے یہ سبق دیا ہے کہ اگر صوبائی خود مختاری نہ دی جائے، صوبائی استحصال کو روکا نہ جائے۔ تو عصبیت پرستوں کو علاقائی اور صوبائی تعصب کی آگ بھڑکانے کا موقع ملتا ہے اور علیحدگی پسندی کی تحریک فروغ پاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر صوبوں کو مکمل خود مختاری دے دی جائے تو صوبائی نفرت اور تعصب کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی بلکہ طبقاتی جدوجہد تیز ہوتی ہے۔ مختلف مظلوم قومیتوں کا اتحاد ہوتا ہے اور وہ متحد ہو کر اندرونی اور بیرونی دشمن کے خلاف جدوجہد کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بعض حلقے مغربی پاکستان میں زونل فیڈریشن کے قیام کی تجویز پیش کر رہے ہیں۔ میں انہیں خبردار کرنا چاہتا ہوں عوام نے ون یونٹ کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ نوکر شاہی نے بزور طاقت ان پر مسلط کیا۔ لیکن آخر کار ون یونٹ ختم کرنا پڑا۔ اسی طرح عوام زونل فیڈریشن کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ وہ صوبائی خود مختاری چاہتے ہیں۔ اگر زونل فیڈریشن کو ان کے سروں پر مسلط کیا گیا تو صوبائی نفرت اور تعصب کو مزید ہوا ملے گی۔ اور علیحدگی کی تحریک بھی چل سکتی ہے۔

انہوں نے کہا میں انتخابات کا قائل نہیں۔ جدوجہد پر یقین رکھتا ہوں۔ انتخابات بورژوا کا موثر ترین حربہ ہے۔ کارل مارکس نے بورژوا جمہوریت کے گہوارے برطانیہ کے انتخابات کے بارے میں کہا تھا کہ برطانوی انتخابات

تمام اجارہ داریاں ختم کردی جائیں گی

میں عوام کو صرف یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ آئندہ کے پانچ سال کے لئے کسی پارٹی کو منتخب کرلیں"۔ ۱۹۷۰ء میں انتخابی مہم کے دوران ہر تقریر میں کہا کہ انتخابات مسائل کا حل نہیں مسائل صرف جدوجہد سے حل ہوتے ہیں دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں پارٹی نے مجھے کراچی کے حلقہ نمبر ۵ سے قومی اسمبلی کا امیدوار بننے پر ازحد زور دیا لیکن میں نے صاف صاف انکار کردیا۔ اور مارچ ۱۹۷۱ میں حالات نے ثابت کردیا کہ میری بات صحیح تھی۔ معراج نے کہا کہ ہر حکومتی پارٹی کی بقاء ترقی اور عوامی مقبولیت کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ اس کا کوئی رکن اہم رکن حکومت اور اسمبلی سے باہر رہے۔ عوام سے تعلق برقرار رکھے۔ عوامی مسائل کا جائزہ لے۔ اور عوام کے انداز فکر سے باخبر رہے۔ تاکہ حکومت اور اپنی پارٹی کے ارکان اسمبلی کو عوامی مسائل سے آگاہ کرتا رہے۔ میں اسمبلی سے باہر رہتے ہوئے اپنی پارٹی کو عوامی مسائل سے باخبر کرتا رہوں گا۔ اور حکومت کی غلط پالیسیوں پر نکتہ چینی کروں گا تاکہ حکومت ایک صحیح اور صحت مند تنقید کی بنیاد پر عوام کے جائز مسائل کو سمجھے اور حل کرسکے اس طرح میں اور میرے کارکن پارٹی کا احتساب کرسکیں گے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہمارا تعلق اور رابطہ عوام سے برقرار رہے گا۔ جہاں ہمیں ان کے مسائل سے آگاہی ہوگی وہاں ہم اپنی پارٹی کی پالیسیوں کی وضاحت بھی کرسکیں گے۔

ایک سوال کے جواب میں کہ کیا آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں باقاعدہ فوج کی بجائے یا اس کے ساتھ ساتھ عوامی فوج قائم کی جائے؟ معراج نے بتایا کہ پاکستان ایک بورژوا ریاست ہے۔ اس کی فوج استحصالی طبقوں کی محافظ ہے۔ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکرشاہی نے اس کے جرنیلوں سے عوام دشمن گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ جب کوئی عوامی تحریک چلتی ہے یا مزدور مل پر اور کسان کھیتوں پر قبضہ کرتے ہیں تو فوج حکمران طبقے سرمایہ دار اور زمیندار کی مدد کو آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے عوام اس سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ پاک افواج کے تمام سپاہی محب وطن اور عوام دوست ہیں وہ مزدوروں اور کسانوں کے بیٹے ہیں وہ بھی استحصال کا شکار ہیں۔ لیکن اپنے جرنیلوں کی وجہ سے یہ مجبور ہیں ہماری پارٹی جرنیلوں کی تنخواہوں اور الاؤنس میں کمی اور عام سپاہیوں کی تنخواہ میں اضافہ کرے گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ عوامی فوج کے قیام کا زبردست حامی ہوں چیرمین ماؤزے تنگ نے کہا ہے: "اگر عوام الناس کے پاس ان کی اپنی فوج نہیں تو عوام الناس کے پاس کچھ نہیں" عوامی فوج جب عوام کے سامنے آتی ہے تو وہ اسے اپنا محافظ سمجھتے ہیں اور استحصالی طبقے اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ یہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے برسرپیکار رہتی ہے۔ اور زمانہ امن میں کارخانوں، ملوں، کھیتوں اور اسکولوں میں کام کرتی ہے، اس لئے یہ عوام پر بوجھ نہیں ہوتی۔ یہ نہ صرف اپنے اخراجات خود پورا کرتی ہے۔ بلکہ اپنی فاضل آمدنی حکومت کو دیتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں لپسپائی کے بعد عوامی فوج کا قیام اور ضروری ہوگیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ باقاعدہ فوج کی شکست کے بعد عوام لڑے اور اپنا وطن آزاد کرایا۔ نازی جرمنی نے فرانس کو زبردست شکست فاش دی۔ فوج بھاگ گئی۔ لیکن فرانس کے مزدور، کسان اور عوام جرمنی کے خلاف لڑے اور ایک دن بھی اسے چین نہیں لینے دیا اور آخرکار فتح اور کامرانی نے فرانسیسی عوام کے قدم چومے۔ میرے خیال میں پاکستان میں باقاعدہ فوج کے ساتھ ساتھ عوامی فوج بھی قائم کی جائے۔ اور آہستہ آہستہ باقاعدہ فوج کو ختم کردیا جائے۔ تاکہ ہمارا بجٹ کا ستر فی صد جو فوج پر خرچ ہوتا ہے دوسرے اقتصادی منصوبوں پر خرچ کیا جاسکے۔

آخری سوال یہ تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام سے لے کر اب تک آپ کا اپنی پارٹی کے طریق کار اور ہیئت کے بارے میں کیا تجربہ ہے پارٹی میں جو مختلف تضادات ہیں ان کی موجودگی میں کیا آپ کی کوششیں ایک سمت کی طرف ہوسکیں گی؟ معراج نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ تفصیلی جواب پھر کبھی دوں گا۔ اس وقت صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر ترقی پسند پارٹی کے اندر صحیح اور غلط خیالات کی کشمکش جاری رہتی ہے۔ وہ تمام خیالات اور نظریات جو عوام کی ترقی اور خوشحالی کے راستے میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ انھیں پارٹی کے اندر رہتے ہوئے۔ عوام کے رابطے سے دور کیا جاسکتا ہے۔ ہر پارٹی میں غلط اور صحیح نظریات ہوتے ہیں۔ صحیح نظریات آسمان سے نہیں اترتے۔ بلکہ غلط نظریات اور تجربے کی روشنی میں پروان چڑھتے ہیں۔ تجربات کی روشنی اور عوامی رابطے کے ذریعے غلط نظریات کو مسترد کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ عوام کو بغاوت کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ طاقت کا سرچشمہ صرف اور صرف عوام ہیں۔

۲۲ خاندان — کون کیا ہے؟

مرکزی حکومت نے مشہور ۲۲ خاندانوں کے تمام افراد کے پاسپورٹ ضبط کر دیئے ہیں۔ اور ان تمام سرمایہ داروں کو حکم دیا ہے۔ جو اپنا سرمایہ باہر کے ممالک میں منتقل کر چکے ہیں۔ وہ فوراً اپنا سرمایہ ملک میں لے آئیں۔ اس خبر کے بعد ۲۲ خاندانوں کے سلسلے میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ "الفتح" نے اپنے ذرائع سے ۲۲ خاندانوں کے بارے میں مکمل تفصیلات شائع کی تھیں۔ اس سلسلے میں ہم نے اپنے سالنامے میں اس سلسلے کا تعارف شائع کیا تھا۔ وہ تعارف ہم دوبارہ بازگشت کے طور پر شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

الفتح رپورٹ

راہ چلتے، اگر کسی غیر سیاسی، عام آدمی سے سوال کیا جائے، ہمارے ملک میں معاشی بحران کیوں ہے؟ تو وہ اس کا سیدھا اور صاف جواب دے گا "بڑے بڑے سرمایہ داروں کی وجہ سے۔ ملک کے ۲۲ خاندان ذمہ دار ہیں۔ پاکستان کی ساری دولت دبا کر بیٹھ گئے ہیں"۔

جی ہاں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے، اس ملک میں بڑھتے ہوئے سیاسی اور سماجی مسائل کی وجہ سے عوامی سطح پر ایک شدید ردعمل کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ارتکاز دولت اور ۲۲ سرمایہ دار خاندانوں میں وسائل پیداوار کا چلا جانا ہے۔ سرمایہ داروں کی تعداد میں اختلاف ہو سکتا ہے، مگر اصل مسئلہ تعداد نہیں ہے، اگر ۲۰ خاندان ہوئے تو کیا آخر ۲۰ بھی تو ۲۲ ہی کا حصہ ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ملک کی اہم ذرائع پیداوار اسی سرمایہ دار طبقہ کے قبضے میں ہے۔

کراچی اسٹاک ایکسچینج کے مطابق بڑے بڑے سرمایہ دار ادارے پورے ملک کی معیشت پر کنٹرول کرتے ہیں۔ ان کے کوائف سے آگاہی کے دو طریقے ہیں ان کی مندرج کمپنیوں میں لگے ہوئے سرمایہ کا اندازہ کیا جائے، دوم، ان کی موجودہ جائدادوں کی قدر و قیمت دیکھی جائے۔ کراچی اسٹاک ایکسچینج میں ان کی مندرج شدہ کمپنیوں کی سرمایہ کاری کے مطابق پاکستان کے حسب ذیل کاروباری گروپ بالترتیب مقام حاصل کئے ہوئے ہیں۔

۲۲۔ بڑے سرمایہ دار گروپ

		مندرج کمپنیاں	لگا ہوا سرمایہ کروڑ میں
۱	داود	۷	۱۹
۲	سہگل	۳	۱۶
۳	آدم جی	۵	۱۵
۴	حبیب	۵	۱۰
۵	کریسنٹ	۴	۹
۶	ولیکا	۷	۹
۷	آمین	۷	۹
۸	باوانی	۶	۷
۹	کالونی (نصیر)	۴	۷
۱۰	بیکو	۱	۵
۱۱	فینسی	۵	۵
۱۲	مولابخش	۵	۵
۱۳	حسین	۲	۴
۱۴	کالونی (فاروق)	۳	۳
۱۵	حئی سنز	۲	۳
۱۶	وزیر علی	۲	۳
۱۷	نشاط	۳	۳
۱۸	گندھارا	۳	۳
۱۹	اصفہانی	۲	۳
۲۰	ظفر الاحسن	۴	۲
۲۱	فتح	۲	۲
۲۲	دادا	۱	۲
		۸۵	۱۱۴

کراچی اسٹاک ایکسچینج میں جتنی کمپنیوں کے نام درج ہیں۔ ان کے مجموعی سرمایہ میں سے ۳۴ فی صد سرمایہ انہی ۲۲ خاندانوں کا ہے جو ان کی کمپنیوں میں لگا ہوا ہے۔ اگر ان کے لگے ہوئے سرمایہ کے اعداد و شمار کو ان کی موجودہ، جائدادوں میں شامل کر دیا جائے تو پاکستان کی معیشت پر ان کے قبضے کی داستان اور بھی لرزہ خیز ہو جاتی ہے۔

داؤد

پاکستان میں داؤد کا وہی مقام ہے جو بھارت میں ٹاٹا کا ہے۔ ان کی سات کمپنیاں، کراچی اسٹاک ایکسچینج میں مندرج ہیں جس میں لگایا ہوا۔ سرمایہ ۱۹ کروڑ بتایا جاتا ہے۔ ان کا ایک دوسرا منصوبہ، داؤد ہرکولیس کیمیاوی پروجیکٹ، ابھی شروع نہیں ہوا۔ اس منصوبے کا کل سرمایہ ۳۶ کروڑ بتایا گیا ہے۔ اس منصوبے کے شروع ہونے کے بعد

داؤد ـــ ہمارا ٹاٹا، سہگل، ہمارا برلا

داؤد کا کوئی ثانی نہ ہوگا تقسیم سے قبل بمبئی میں یہ خاندان سوت کا معمولی ڈیلر تھا۔

اب اس خاندان کی حسب ذیل کمپنیاں چلتی ہیں

۱۔ داؤد کاٹن ملز
۲ بری والا ٹیکسٹائل ملز
۳۔ کرنافلی پیپر ملز
۴ سنٹرل انشورنس کمپنی
۵ لارنس اُڈولسن ملز
۶۔ کرنافلی ریان ملز
۷۔ داؤد پیٹرولیم

سہگل

سہگل کو اگر پاکستان کا برلا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ دوسرے نمبر کے بڑے سیٹھ ہیں۔ تقسیم سے پہلے کلکتہ میں اس خاندان کے پاس ربڑ کا ایک چھوٹا سا کارخانہ تھا جنگ کے دوران، داؤد خاندان کی طرح اس خاندان نے بھی دولت جمع کی۔ ۱۹۶۰ء میں سرمایہ دار طبقہ میں اس کی تیسری پوزیشن تھی، ۱۹۶۵ء میں اس نے پہلا مقام حاصل کیا۔ اور ۱۹۶۹ء میں دوسری پوزیشن پر آگیا۔

پاکستان میں اس خاندان کی تین کمپنیاں ہیں جن میں لگایا ہوا سرمایہ ۴۱ کروڑ ہے۔

۱۔ کوہ نور انڈسٹریز
۲ یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ
۳ کوہ نور ریان لمیٹڈ

آدم جی

پاکستان کے بڑے تاجر طبقہ کی چودہراہٹ میں آدم جی کا تیسرا مقام ہے داؤد اور سہگل کے بعد، ۱۹۵۵ اور ۱۹۶۰ء میں آدم جی پہلے نمبر پر تھے مگر ۱۹۶۵ء میں سہگل نے ان کی چودہراہٹ کا خاتمہ کر کے وہ مقام خود حاصل کرلیا۔ ۱۹۶۹ء میں داؤد خاندان سہگل اور آدم جی سے بازی لے گیا۔ آدم جی برما میں کاروبار کرتے تھے، جنگ دوم سے پہلے ان کا کاروبار برما سے کلکتہ منتقل ہوگیا۔ کیونکہ چھوٹا سا برما ان کی کاروباری اڑان کی وسعت سے تنگ تھا۔ جنگ کے دوران خاندان نے جوٹ کی تجارت سے خوب دولت کمائی ہے۔

پاکستان میں اس خاندان کے پاس مندرجہ ذیل کمپنیاں ہیں۔

۱۔ مسلم کمرشل بنک لمیٹڈ
۲ آدم جی جوٹ ملز
۳ آدم جی انڈسٹریز لمیٹڈ
۴ آدم جی انشورنس کمپنی لمیٹڈ
۵ آدم جی شوگر ملز لمیٹڈ۔

(اللہ دے، بندہ لے، یہ خاندان اس پر صدق دل سے عمل کرتا ہے۔)

حبیب

۸ بڑے سرمایہ داروں کی ریس میں حبیب کی پوزیشن چوتھی ہے۔ تقسیم سے پہلے حبیب خاندان بمبئی میں سونے کا تاجر تھا۔ بنک کا کاروبار شروع کرنے کے بعد بھی اس خاندان نے اپنا موروثی پیشہ جاری رکھا۔ لیکن بنک کا کاروبار اس خاندان کو اتنا راس آیا کہ موروثی پیشے کو ترک کرنا پڑا۔

تقسیم کے بعد یہ خاندان اپنا تھوڑا سا سرمایہ لے کر پاکستان چلا آیا۔ اب اس کے پاس ۵ بڑی کمپنیاں ہیں

۱۔ حبیب بنک لمیٹڈ
۲ حبیب انشورنس کمپنی
۳ حیدری کنسٹرکشن
۴ حبیب شوگر
۵ علی اصغر ٹیکسٹائل ملز

کریسنٹ

کریسنٹ کی پانچویں پوزیشن ہے۔ ۱۹۶۰ء میں یہ چوتھے نمبر پر آگیا تھا۔ تقسیم سے پہلے کریسنٹ خاندان بھارت میں چمڑے کا بہت معمولی کاروبار کرتا تھا۔ یہ خاندان جب پاکستان میں آیا تو اس کے پاس چند ہزار یا زیادہ سے زیادہ چند لاکھ روپے کا بہت حقیر سا سرمایہ تھا۔ اب اس خاندان کی صرف چار کمپنیوں میں جاری سرمایہ ۹ کروڑ روپے ہیں۔

۱ پریمیر انشورنس
۲ کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز
۳ کریسنٹ شوگر
۴ کریسنٹ جوٹ

۱۹۵۵ء میں اس کا خاندان کا کسی کمپنی میں سرمایہ نہیں لگا تھا۔

۱۹۶۰ء میں ایک کروڑ روپیہ
۱۹۶۵ء میں ۸ کروڑ روپیہ
۱۹۶۹ء میں ۹ کروڑ روپیہ

کریسنٹ کی اس ترقی کو اسی کی فیکٹری یا کمپنی میں کام کرنے والے مزدور یا کلرک کی ترقی سے ہرگز نہ ملائیے۔ مایوسی ہوگی۔

ولیکا

داؤد، سہگل، آدم جی اور حبیب کے مقابلہ میں ولیکا کم حیثیت ہے آزادی سے قبل ولیکا خاندان بمبئی کے اطراف میں پولیس کی ملازمت دکانداری اور چھوٹے موٹے کاروبار پر گزر بسر کرتا تھا۔ پاکستان میں آنے کے بعد اس خاندان نے اپنا مختصر سا سرمایہ کاروبار میں لگا دیا۔ کچھ حبیب بنک والوں نے مدد کی۔ بس پھر کیا تھا مینہ برسا اور چھپر پھاڑ کر برسا۔

اب اس خاندان کے پاس یہ کمپنیاں اور ملز ہیں

۱۔ ولیکا ٹیکسٹائل ملز
۲ ولیکا وولن
۳ ولیکا آرٹ فیبرکس
۴ محمدی اسٹیم شپ
۵ ولیکا سیمنٹ
۶ ولیکا کیمیکلز
۷ یونائیٹڈ انشورنس

آمین

کریسنٹ، ولیکا اور آمین کے درمیان بہت تھوڑا سا فرق ہے۔ تقسیم سے پہلے خاندان کلکتہ میں چمڑے کا معمولی کاروبار کرتا تھا۔ اس گروپ کی اہم شخصیت اے جلیل۔ آمین کاروبار قائم کرنے والے کے بھتیجے ہیں۔ تقسیم کے بعد یہ خاندان مشرقی پاکستان چلا گیا۔ اور وہاں جوٹ کا کاروبار شروع کر دیا۔ اس خاندان نے سب سے پہلے پاک جوٹ بیلرز اور آمین جوٹ ملز کا کاروبار شروع کیا۔ ابتدا میں انہیں کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی مگر ۱۹۵۵ء میں اس خاندان نے صنعتی میدان میں فروغ حاصل کرنا شروع کیا ۱۹۵۵ء میں اس کی پوزیشن پانچویں تھی، پھر ۱۹۶۰ء میں یہ نواں خاندان تھا۔ ۱۹۶۹ء میں ساتویں نمبر پر آگیا۔

۱ پاک جوٹ بیلرز

"قلم مزدوروں" کے استحصال کا شوق پورا کرنے کے لئے ایک خاندان نے اخبار نکالا

۲ امین جوٹ ملز
۳ امین ٹیکسٹائل ملز
۴ پاکستان نیشنل آئل
۵ ایکو کولڈ اسٹوریج
۶ نیشنل ریفائنری
۷ امین فیبرکس ۔

(۸) باوانی ۔

۲۲ خاندان میں باوانی آٹھویں نمبر پر ہے تقسیم سے پہلے یہ خاندان برما میں کپڑے کا کاروبار کرتا تھا۔ پاکستان میں بھی اسی صنعت کے سہارے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں باوانی وولن کاٹن ٹکسٹائل ملز، اس خاندان کا پہلا صنعتی کارنامہ ہے۔ اس کے بعد تو کارناموں کے ڈھیر لگ گئے۔

کراچی اسٹاک ایکسچینج میں درج شدہ کمپنیوں کے مطابق اسی خاندان کی حسب ذیل کمپنیاں ہیں۔

(۱) باوانی وولن ٹکسٹائل ملز لمیٹڈ
(۲) لطیف باوانی جوٹ ملز
(۳) احمد باوانی ٹکسٹائل لمیٹڈ
(۴) باوانی شوگر ملز لمیٹڈ
(۵) آر، آر، ٹکسٹائل لمیٹڈ
(۶) آر، آر، جوٹ

اسلام پسند ہیں۔ مسلم انٹرنیشنل ان کا پرچہ ہے۔

(۹) کالونی

(نصیر)

چند سال قبل کاروباری طبقے میں کالونی ایک طاقت ور گروپ تھا۔ لیکن خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے اس گروپ کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور تین مختلف گروپوں میں بٹ گیا۔

اس خاندان کے پاس مندرجہ ذیل کمپنیاں ہیں:

(۱) کالونی ٹکسٹائل ملز لمیٹڈ
(۲) اسمٰعیل سیمنٹ لمیٹڈ
(۳) نیشنل سیکورٹی انشورنس
(۴) ملتان الیکٹرک

یہ گروپ کاروباری معاملات میں بے حد اسمارٹ ہے۔

(۱۰) بیکو

اجارہ دار سرمایہ دار گروپ میں اس کا مقام دسواں اور پنجاب کے سب گروپوں میں اسی کی پوزیشن پانچویں ہے۔ ۱۹۵۵ء میں یہ خاندان آٹھویں نمبر پر تھا۔

بٹالہ انجینئرنگ کمپنی، اسی خاندان کے پاس ہے۔

(۱۱) فینسی

فینسی گروپ پاکستان کی صنعتی دوڑ میں دیر سے شامل ہوا۔ پھر بھی اس کا مقام گیارہواں ہے۔ اگر اس کے جاری شدہ سرمایہ اور جائدادوں کو شامل کر لیا جائے تو بڑے سرمایہ داروں میں اس کی پوزیشن چوتھی ہوگی۔

اس خاندان کے پاس ان دنوں یہ کمپنیاں ہیں:

(۱) نیو جوبلی انشورنس کمپنی
(۲) کراچی گیس کمپنی
(۳) اسٹیل کارپوریشن آف پاکستان
(۴) کامرس بنک لمیٹڈ
(۵) پاک کروم مائنز

یہ خاندان بڑی تیزی سے مختلف اداروں پر چھا رہا ہے۔ پاکستان ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن پر انہوں نے بغیر کسی پیسے کے قبضہ کر لیا ہے ــــ اپنی ایڈورٹائزنگ فرم ہے۔ ایشیاٹک ۔ اسماعیلی ہونے کے ناطے سے تمام اسماعیلی کمپنیوں کے اشتہارات اپنی کمپنی میں لے جا رہے ہیں۔ اس صنعت پر بھی اجارہ داری قائم کر رہے ہیں۔

(۱۲) مولا بخش

اس خاندان کا نمبر بارہواں ہے۔ پنجاب کے ابھرتے ہوئے سرمایہ دار گروپ میں اس کا چھٹا نمبر ہے کراچی اسٹاک ایکسچینج میں اس گروپ کی پہلی کمپنی کا نام ۱۹۶۵ء میں درج کیا گیا۔ اس گروپ نے یونائیٹڈ جوٹ میں ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے اپنا کاروبار شروع کیا۔ اب اس کے پاس۔

(۱) یونائیٹڈ جوٹ
(۲) میگھنا جوٹ
(۳) چاند پور جوٹ
(۴) بخش ٹیکسٹائل
(۵) انوار ٹکسٹائل ہیں۔

(۱۳) حسین

شروع میں یہ گروپ ٹکسٹائل انڈسٹریز میں دلچسپی لیتا تھا۔ چند سالوں کے بعد چٹاگانگ میں اسٹیل ٹیوب پلانٹ، تعمیر کیا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں اس گروپ نے ایک شوگر ملز بھی قائم کر لی۔

اس گروپ کے پاس یہ کمپنیاں ہیں۔

(۱) حسین انڈسٹریز لمیٹڈ
(۲) حسین شوگر ملز

(۱۴) کالونی (فاروق)

اس گروپ کا مقام چودھواں ہے۔ پنجاب کے سرمایہ دار گروپ میں ساتویں نمبر پر ہے۔ اس کے پاس اسٹریلیشیا بنک، پاکستان سیمنٹ انڈسٹری اور کالونی سرحد ٹکسٹائل ملز ہے۔

(۱۵) حیّ سنز

۲۲ بڑے سرمایہ دار طبقہ میں پندرھویں نمبر پر آنے والے حیّ سنز گروپ کی صحیح دولت کا اندازہ "پیڈاپ" سرمایہ سے لگانا مشکل ہے۔ اس گروپ کے پاس حیّ سنز شوگر ملز، میک ٹرکس ہے۔ حیّ سنز سٹیل ملز کا منصوبہ زیر غور ہے۔ ۲۲ خاندانوں کی لمبی دوڑ میں ابھی یہ گروپ پیچھے ہے۔

(۱۶) وزیر علی

وزیر علی ــــ سرمایہ دار گروپ میں سولھویں نمبر پر ہیں۔ اور پنجاب کے ابھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ میں آٹھویں پوزیشن رکھتے ہیں۔ اس کے پاس وزیر علی انڈسٹریز اور پیکجز لمٹیڈ ہے۔ یہ گروپ شروع سے پرائیویٹ کمپنیوں میں دلچسپی لیتا رہا۔

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

دیئر میجسٹیز

عہدِ رفتہ کے یہ منحوس غبار
پادشاہانِ جہاں
قہرِ برجانِ جہاں

جونک کی طرح سے یہ چپکے ہوئے
اب بھی کچھ لوگوں سے
اب بھی کچھ قوموں سے

چُوستے رہتے ہیں دن رات لہُو
ناتوانوں کا لہو
نیم جانوں کا لہُو

بیچ دیتے ہیں یہ جب ممکن ہو
عزّ و ناموسِ وطن
حُسنِ طاؤسِ وطن

جھانک کر دیکھو جو اِن کے کرتُوت
آنکھ رہ جائے گی دنگ
یاد آ جائے گا سنگ

پردہ یُوں اِن پہ جو ہے آویزاں
مصلحت کی ہے نقاب
جُھوٹ کا ایک سراب

جیسے کچھ لفظ نہیں کھپ سکتے
شعر یا مصرعہ میں
بندشِ نغمہ میں

یہ اُسی وضع کے ہیں لفظ مگر
پھر بھی باندھے دستار
نظمِ ہستی پہ سوار

ہاں مگر جان گئے ہیں اب لوگ
اِن کے کیسوں کے رمُوز
اِن کے سب طول و عروض

ہے یہی وجہ کہ اب اِن کے بھی ایوانوں میں
ان کے اسرار میں ڈوبے ہُوئے تہ خانوں میں
اِن کے محلوں کے صنم خانوں میں، درباروں میں
مکر کے سانچوں سے نکلی ہُوئی دستاروں میں
حقِ انساں کے تقاضوں کے ہیں ناقوس بلند
فکرِ انساں کے نئے عزم کے فانوس بلند
اِن کی بنگاہِ طلا میں ہیں شگاف آئے ہوئے
تیغ در دستِ جواں سال گداف آئے ہوئے
دمِ بخود مہر بلب ان کا دِوا استحصال
دیکھ کر اپنی طرف بڑھتی ہوئی شامِ زوال

کارواں جا بھی چُکا نقشِ کفِ پا کیا ہے
روز دو روز کے رہنے کے علاوا کیا ہے
وقت کے سیل میں جو نقش ہو بہہ جاتا ہے
کبھی رہ جائے تو تاریخ میں رہ جاتا ہے



ضیاء سرحدی

گوکند

اِس جگہ پیدا ہونے کے جُرم میں ہر باشندہ خوانین کا غلام ہے

ابا سین

گوگنند کے ایک بوڑھے کسان سے اس کے نادان پوتے نے بڑے اشتیاق سے پوچھا،

"بابا، کیا جنت، ہمارے گوگنند سے بھی زیادہ خولصبورت ہو گی"۔؟

بوڑھے دیہاتی نے جھلّا کر جواب دیا۔

"کیا تم اسے بھی گوگند کے برابر سمجھتے ہو"؟

گوگند کے حسن و جمال کے بارے میں یہ لطیفہ ایک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے، گوگند کے بے خانماں کسان اپنی تمام محرومیوں کے باوجود دنیا کے کسی بھی جمالیاتی معیار کو گوگند کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ لوگ کشمیر کو جنت نظیر کہتے ہیں اور اپنے جمالیاتی ذوق کی داد چاہتے ہیں مگر اس خطے کے لوگوں کو گوگند کے حسن کی تعریف کے لئے تمثیلاً بھی جنت کا نام گوارہ نہیں۔ گوگندہ کے زندہ دلوں کا کہنا ہے کہ جنت اگر گوگند جیسی نہ ہوئی تو مزا نہ آئے گا

تیمرسب ڈویژن کے شمال کی طرف کئی چھوٹے بڑے درّے ہیں، ان دروں میں تقریباً ۱۲ گاؤں آباد ہیں۔ گوگندان ہی میں سے ایک ہے، یوں تو یہ سبھی درّے اپنے حسن کا جواب نہیں رکھتے مگر گوگند کا تو جواب ہی نہیں، اس وادی کا اپنا ہی مزاج ہے نہ اس کے موسم اوروں جیسے نہ اس کے زمین و آسمان دوسروں جیسے اکرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست والی بات ہے۔ مگر تمثیل کے لئے یہ مصرعہ بھی اپنی قدامت کے اعتبار سے گھٹیا لگتا ہے۔ اس کے حسن اور اس کے موسموں کی انفرادیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ یہ گرمی میں تو سرد رہتا ہے مگر سردیوں میں گرم ہو جاتا ہے۔ میری معلومات کی حد تک شاید ہی دنیا میں کوئی ایسی زمین ہو جو اپنے بیاروں پر اتنی مہربان ہو کہ گرمیوں کی زحمت سے بھی بچاتی ہو اور سردیوں کی اذیت سے بھی محفوظ رکھتی ہو، اس کے پہاڑ اور اس کے سبزہ زاروں کی تفصیلات بیان کی جائیں تو اصل روداد کے لئے شاید بہت کم جگہ رہ جائیگی

یہ ایک بڑا عظیم المیہ ہے کہ صوبہ سرحد کا دورہ کرنے والے سیاح جب گوگندر اور دوسرے خولصورت مقامات کی سیاحت کے لئے یہاں آتے ہیں تو ان کی آنکھیں ان وادیوں کے فطری حسن و جمال سے اس قدر خیرہ ہو جاتی ہیں کہ انہیں ان وادیوں کے دکھوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، اس لیے توفیقی میں ان کا کوئی قصور بھی نہیں، آخر کسی کو کیا پڑی ہے کہ دور دراز کا سفر کر کے ان وادیوں میں آئے اور آکر ان وادیوں کے دل ٹٹولتا پھرے، زخم تلاش کرتا پھرے اور آہوں کے پیچھے بھٹکتا پھرے، ہر آنے والا اپنی خرچ کی ہوئی رقم کا بہتر سے بہتر حاصل چاہتا ہے۔ وہ منظروں کی تلاش میں رہتا ہے، جہاں کہیں اسے فطرت کا برہنہ پنڈا نظر آتا ہے۔ وہ کیمرے کو آنکھوں سے لگا لیتا ہے۔ ننگی انسانیت تو کراچی کے گلیوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے اور بڑے اچھے انداز سے دیکھی جا سکتی ہے۔ پھر کسی کو کیا پڑی کہ بڑے شہروں میں ٹکے پر ملنے والی چیز کو دور دراز وادیوں میں تلاش کرتے پھرے

تیمرسب ڈویژن کے شمال کی طرف مختلف درّوں میں آباد جن گاؤں کا اوپر ذکر کیا ان میں بسنے والے انسانوں کی تعداد ۲۵، ۳۰ ہزار سے زیادہ نہیں، یہ لوگ متمدن دنیا کے تکلفات سے بے نیاز ہو کر اپنے ہی طرز پر جی رہے ہیں۔ اس نشست میں صرف گوگند کی وادی کا ذکر کرنا مقصود ہے، باقی وادیوں کا ذکر بھی اسی ایک روداد میں پوشیدہ ہے۔

گوگند اپنے تمام تر حسن اور اپنے تمام حسین باشندوں سمیت وادی کے صرف دو خوانین خاندانوں کے رحم و کرم پر آباد ہیں یہی دو خاندان اس وادی کا مقدر اور اس کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں، اس وادی کی زمین، اس کا آسمان اور اس کے پہاڑ سبھی کچھ ان ہی دو خاندانوں کا ہے، اور وہ تمام انسان جو اس وادی میں بستے ہیں، اس جرم میں خوانین کے زرخرید غلام کہلاتے ہیں کہ وہ گوگند میں پیدا ہوتے ہیں۔

اس وادی میں جو جاگیردارانہ نظام رائج ہے وہ جاگیرداری سماج کی بدترین شکل کا ایک زندہ نمونہ ہے۔ چونکہ یہ وادی ایک چھوٹے سے درّے کی شکل میں ہے اس لئے اس میں میدانی زمین بہت کم ہے جو کچھ میدانی زمینیں موجود ہیں۔ وہ براہ راست خوانین کے تصرف میں ہیں۔ اس وادی میں رہنے والی مخلوق کا زیادہ تر انحصار مولیشیوں پر ہے اور وہ انہی کے سہارے زندہ رہتے ہیں، لیکن اس سہارے کے لئے بھی انہیں چونکہ چارے کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا وہ اس اعتبار سے زراعت کے لئے بھی مجبور ہیں۔ وادی کے ناخداؤں کے قانون کے مطابق کسی شخص کو اس بات کی اجازت ہی نہیں کہ وہ بغیر کسی معاہدے یا حساب کتاب کے گھاس کا ایک تنکا بھی حاصل کرے۔

خوانین کا حکم ہے کہ وادی کے لوگ چاہے مولیشی پالیں چاہے کوئی اور دھندا کریں وادی کے باسیوں کی حیثیت سے انہیں وادی کے خوانین کے تابع رہنا چاہیئے۔ خوانین کی طرف سے مولیشی پالنے پر کوئی پابندی نہیں، مگر مولیشیوں کے لئے چارہ حاصل کرنے پر پابندی ہے۔ قاعدے کے مطابق اگر کسی شخص کو اپنے مولیشیوں کے لئے چارے کی ضرورت ہو تو اس کو پہاڑوں اور ڈھلانوں پر ایک خاص رقبہ رہن، قلنگ، حصہ داری یا دہقانی کے کسی ایک معاہدے کے تحت لینا پڑے گا، ہر معاہدے کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، جو بجید اہمیت رکھتی ہیں۔ آیئے ان معاہدوں کی تفصیلات ملاحظہ کریں سب سے پہلے رہن کا طریقہ ملاحظہ کریں۔

رہن کا طریقہ

رہن کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایک یا چند اشخاص یا ایک خاندان کو پہاڑوں یا ڈھلان میں زمین کا ایک خاص رقبہ ایک خاص رقم پر ایک خاص مدت کے لئے بطور رہن دے دیا جاتا ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس رقبہ اراضی پر دوبارہ خان کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اسی قدر رقم کے عوض دوبارہ معاہدہ کر لیتا ہے یا کسی اور سے زیادہ رقم وصول کر کے وہ زمین اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ خوانین اراضی کے نام پر کسانوں کو جو کچھ دیتے ہیں، اسے اراضی کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اپنی اصل کے اعتبار سے وہ پہاڑ ہوتا ہے اور اس پر کوئی

کسانوں کی بے دخلیوں کا موسم اس وادی کا المناک موسم ہوتا ہے

سے کاشت کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک اُسے شکل وصورت کے اعتبار سے زمین کی طرح نہ بنایا جائے اس مقصد کے لئے کسان پہاڑوں پر چھوٹی چھوٹی دیواریں بناتے ہیں۔ اس طرح ایک خاص بلندی تک دیوار اٹھانے کے بعد درمیان میں مٹی بھرتے ہیں اور اسے ایک حد تک ہموار کر لیتے ہیں، اس کے بعد ایک اور دیوار کھڑی کرتے ہیں۔ اس کے خلا کو بھی پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر مٹی سے بھرتے ہیں اور ہموار کر کے زمین کی شکل دے دیتے ہیں، تب کہیں وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ زمین کے ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر گندم یا مکئی کاشت کر سکیں۔

کسانوں کو رہن کی رقم پیشگی ادا کرنی ہوتی ہے یا غلہ کی وہ مقدار جو رہن نامے کے مطابق طے کی گئی ہو فصل کے موقع پر ادا کرنی ہوتی ہے اس کے علاوہ کسانوں کو اپنے خان کے لئے بطور قرض حسنہ ۳۰۰ سے ایک ہزار روپے کی رقم بھی مہیا کرنی ہوتی ہے جو کسان یہ قرض نہیں مہیا کر سکتے وہ رہن کے معاہدے پر زمین حاصل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ لوگ جو خوانین کے لئے قرضہ مہیا کرتے ہیں وہ برادری کے معزز مظلوموں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور پٹہ داری کے پہلے درجے میں فائز ہوتے ہیں۔ رہن نامے کے معاوضے اور قرض کی رقم کے علاوہ بھی چند شرائط ہیں جو معاہدے کا جزو تصور کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شرط یہ ہے کہ کسان کو مہینے میں سات روز تک خان کی ذاتی زمین پر کام کرنا پڑتا ہے۔ اسے آپ بیگار کہہ لیجئے اور اس بیگار کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے۔ یہ خان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کسان سے بیگاری ہفتے میں کیا کام لے کسان پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک سال میں ۲۴ مرغ بطور نذرانہ پیش کرے اور تقریباً ۲۰ سیر گھی بھی بھینٹ چڑھائے۔ کسان اس بات کا بھی پابند ہے کہ وہ بیگاری کے ایام میں جب خان کی زمینوں پر کام کرے تو اپنے بیلوں کی جوڑی بھی ساتھ لائے، خان کے خوشی اور غمی کے موقعوں پر کسان پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ خود اس کے بال بچے سبھی معاہدے کے بیگاری ایام کے علاوہ بھی کام کریں۔

فصل کٹنے پر جب تقسیم کا مرحلہ آتا ہے تو خان کے حکم سے بہت دنوں تک غلہ دھوپ میں پڑا رہنے دیا جاتا ہے تاکہ اس کی تراوت ختم ہو جائے اور خان زیادہ سے زیادہ خالص جنس حاصل کر سکے، غلہ تولنے کا اختیار کسان کو نہیں ہوتا۔ دوسرے حقوق کی طرح یہ حق بھی خان ہی کا ہوتا ہے اور اس نے غلہ تولنے کے لئے ایک خاص شخص مقرر کر رکھا ہوتا ہے۔ خان کے حکم کے مطابق ایک من غلہ تولنے کے لئے ۴ سیر غلہ بطور اُجرت ادا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اگر کسی کسان کی پیداوار دس من ہو تو اس کو ایک من غلہ تولنے کی اُجرت کے طور پر دینا پڑتا ہے، تولنے کے عوض جو غلہ وصول ہوتا ہے وہ خان کے گودام میں جاتا ہے۔ تولنے والے کو خان کی طرف سے سالانہ ۱۵ سے ۲۰ من تک غلہ ملتا ہے۔ جبکہ اس کاروبار سے وہ ۱۵/۲۰ من سے کہیں زیادہ غلہ اپنے گوداموں میں ڈلوا لیتا ہے

قلنگ

اس معاہدے کی شکل وصورت رہن کے معاہدے سے ملتی جلتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں کسانوں کو پیشگی قرض حسنہ کے طور پر کوئی بڑی رقم پیش نہیں کرنی پڑتی خان خود ہی غلے کی ایک سالانہ یا فصل بہ فصل، مقدار مقرر کر دیتا ہے، قلنگ پر حاصل کی ہوئی زمینوں کے کسانوں کو اکثر دوسرے ذرائع سے معاہدے کی جنس پوری کرنی پڑتی ہے کیونکہ جن زمینوں پر انہیں کھیتی باڑی کرنی پڑتی ہے۔ وہ غلے کی مطلوبہ مقدار کو پوری کرنے سے قاصر ہوتی ہیں، باقی شرائط از قسم انڈا، مرغی اور بیگار وہی ہیں جو رہن کے کسانوں کے لئے ہیں، اس سلسلے کا تیسرا طریقہ حصہ داری کا معاہدہ ہے

حصّہ داری

حصہ داری کے معاہدے کے تحت کسانوں کو جو زمین دی جاتی ہے اگر فصل بہت اچھی بھی ہو تو دس من سے زیادہ غلہ کبھی نہیں ہوتا، جبکہ زمین اسے خود بنانی پڑتی ہے اور اپنا گھر بھی خود ہی تعمیر کرنا پڑتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق ہر فصل پر مجموعی پیداوار کے تین حصے خان کے ہوتے ہیں اور دو حصے

دو خوانین خاندان ــــ اس وادی کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں

کسان کے ہوتے ہیں، غلہ تقسیم ہوتا ہے تو خان اپنے تین حصّے الگ کر لیتا ہے، اس کے بعد کسان کے غلے سے مجموعی پیداوار کے مطابق تمام ٹیکس وصول کرتا ہے جس میں اس کا اپنا ٹیکس سرکاری ٹیکس اور غلہ تولنے والے کا ٹیکس بھی شامل ہوتا ہے ایک فصل کے تقریباً دس من غلے میں سے کسان کو جو کچھ بچتا ہے۔ اس میں اس کی وہ محنت بھی شامل ہوتی ہے جو ہفتے میں سات روز کم سے کم اُسے خان کے لئے الگ انجام دینی پڑتی ہے اور وہ تمام شرائط بھی شامل ہوتی ہیں جو پہلے معاہدے میں لکھی جا چکی ہیں۔ اب چوتھی قسم اس معاہدے کی ملاحظہ کیجئے۔

دہقانی معاہدہ

اس معاہدے کو دہقانی یا کھیت مزدور کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ اس وادی میں وہ تمام افراد دہقان کہلاتے ہیں جن کے پاس اپنے بیلوں کی جوڑی نہ ہو اس معاہدے کے مطابق دہقان کو مجموعی پیداوار کے چار حصّے خان کو دینے پڑتے ہیں۔ اور ایک حصّے کا خود مستحق ہوتا ہے اور اسی ایک حصّے میں سے اُوپر بیان کئے گئے ٹیکس بھی ادا کرنے پڑتے ہیں خان، دہقانوں کو جو "ٹیکنیکل" مدد دیتا ہے اس کا معاوضہ الگ وصول کرتا ہے۔

اس وادی کے بارے میں جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا تھا کہ اس کے اپنے ہی زمین و آسمان ہیں۔ اس کی مزید تفصیل بھی سینئے، زمینوں کے معاہدات کے بارے میں جو کچھ بتایا جا چکا ہے وہ خالصتاً "پیداواری اور مالیاتی" نظام کی تفصیل تھی۔ اب اس وادی کے رسم و رواج بھی ملاحظہ کیجئے۔ یہ رسم و رواج بھی خوانین ہی کے بنائے اور رائج کئے ہوئے ہیں۔

شادی بیاہ کی رسوم

شادی بیاہ معاشرتی زندگی کا ایک ضروری اور فطری حصّہ ہوتے ہیں، اس وادی کے خوانین کے آئین کے مطابق اگر وادی کا کوئی کسان اپنے بیٹے کی شادی کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خان کو ایک عدد گائے یا بھینس پیشگی بطور تحفہ نذر کرے اگر کوئی کسان غفلت اور کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو خوانین یہ تحفہ جبراً وصول کرتے ہیں، بیٹی کی شادی کی صورت میں پگڑی کے نام پر نقد رقم ادا کرنی ہوتی ہے اور یہ رقم ۴۰ روپے سے سو روپے تک ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ شادی کرنے والوں کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ خان اور اس کے ساتھیوں کے لئے ایک خاص دعوت کا اہتمام کریں اس دعوت میں ایک مرغی فی کس کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور یہ بات خان کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ تمام مرغیاں زندہ وصول کرے یا زحمت کر کے شادی والے گھر میں جا کر نوش کرے اکثر یہی ہوتا ہے کہ خان دعوت کی تمام جنس گھر بیٹھے وصول کر لیتا ہے۔

اگر خان کے کسی لاڈلے کی شادی ہو تو اس کے تمام کسانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بیوی بچوں سمیت اپنے تمام کام چھوڑ کر خان اور اس کے مہمانوں کی خدمت کے لئے وقف ہو جائیں۔ اس موقع پر بھی کسان مرغیاں، گھی نقد رقم فراہم کرتے ہیں عید اور دوسرے مذہبی تہواروں پر بھی موسمی ٹیکس کے نام سے کسانوں سے گھی، مرغی اور جلانے کی لکڑیاں وصول کی جاتی ہیں۔ اس وادی میں غریب کسان کبھی کبھی خیرات و صدقے کے طور پر جانور بھی ذبح کرتے ہیں۔ قانون کے مطابق خیرات کرنے والے ہر فرد پر آئینی طور سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ذبح کئے جانے والے جانور کی ایک سالم ران خان کے لئے پیش کرے وادی کے رسم و رواج کے مطابق عورتوں سے بھی اسی طرح بیگار لی جاتی ہے جس طرح مردوں کے لئے حکم ہے

زراعت پیشہ کسانوں کی "خدمت" کے لئے خان کی طرف سے کسب گروں کا ایک طبقہ بھی کسانوں کی معیشت میں ساجھے دار ہوتا ہے، ان کسب گروں کو خوانین کے گوداموں سے غلے کی صورت میں سالانہ معاوضہ ملتا ہے اور اس کے بدلے خوانین کسانوں کی پیداوار میں سے کسب گروں کے نام پر ایک من کا پانچواں حصہ وصول کرتے ہیں، یہ کسب گر مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ہیں (۱) حجام (۲) ترکھان (۳) لوہار (۴) شاہ خیل یعنی چٹائیاں اور چکیں بنانے والا (۵)





دہقان کو پیداوار کے

چار حصے خان کو دینے پڑتے ہیں

ناظر (۶) کنھے یعنی خان کی بھیڑیں چرانے والا چرواہا (۷) تیار خور یعنی وہ طبقہ جو خان کے حجرے میں رونق افروز رہتا ہے چلم بھر بھر کر پلاتا ہے اور خان کے ساتھ باڈی گارڈ کے طور پر رہتا ہے حجام لوہار، ترکھان اور شاہ خیل، کسانوں کو جو "فنی" امداد بہم پہنچاتے ہیں اس کے عوض کسانوں سے غلے کی صورت میں اپنی الگ اجرت وصول کرتے ہیں کسانوں کی بے دخلیوں کا موسم اس وادی کا شاید المناک موسم ہوتا ہے یہ موسم یوں تو سال کے کسی بھی مہینے میں شروع ہو سکتا ہے مگر عموماً مارچ اور اپریل کے مہینوں میں شروع ہوتا ہے، اس وادی کی دوسری منفرد خصوصیات کی طرح یہاں بے دخلیوں کا بھی اپنا ایک الگ مزاج ہے جو مزاجِ خان کے تابع ہوتا ہے خان جب بھی چاہے کسی جواز کے بغیر کسی بھی کسان کو اس کی زمین سے محروم کر سکتا ہے اس محرومی کے لئے ضروری نہیں کہ کسان نے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی کی ہو، کوئی شرط پوری نہ کی ہو یا بیگار سے جی چرایا ہو، اس وادی کے خوانین چونکہ اس وادی کے باشندوں کے رازق مطلق ہیں لہٰذا یہ ان کا پیدائشی حق ہے کہ وہ ایک سے زمین چھین کر دوسرے کو دے دیں یا دونوں کو زمین سے محروم کر دیں، اکثر ہوتا یہ ہے کہ خان پہلے سے معاہدے پر دی ہوئی زمین معاہدے کی تکمیل سے پہلے ہی زیادہ اچھی شرائط پر یا رشوت پر کسی اور کے نام الاٹ کر دیتے ہیں اگر پہلا فریق نئے امیدوار سے زیادہ رشوت دینے پر رضامند ہو جائے تو اسی کو زمین کے استعمال کا مستحق رہنے دیا جاتا ہے۔ اس وادی میں ایسی کوئی عدالت، کچہری یا تھانہ سرے سے موجود نہیں جس میں خان کے خلاف فریاد کی جا سکے، چارسدہ، تنگی، مردان، دیر، سوات اور چترال کے کسان بڑے "خوش قسمت" ہیں کہ کم از کم وہ عدالتوں کی حد تک تو خوانین کے ساتھ "برابری" کا دعویٰ کر سکتے ہیں مگر گوگند کے کسان؟ یہ بے چارے نرے کسان ہی ہیں۔

ان کسانوں سے جنہیں سرکار کی طرف سے زرعی قرضے، پانی، یا کوئی اور زرعی سہولت نہیں ملتی، سرکاری ٹیکس بھی وصول کیا جاتا ہے، اس ٹیکس کی وصولی کے لئے سرکار عالی مدار کی طرف سے ایک ٹھیکیدار مقرر ہوتا ہے جو ہر سال بذریعہ "ٹنڈر" ایک مخصوص علاقے سے غلے کی صورت میں ٹیکس کی فراہمی کی ایک خاص پیش کش کرتا ہے، اور پھر گاؤں، گاؤں پھر کر وہ تمام غلہ جمع کرتا ہے، اکثر ہوتا یہ ہے کہ سرکاری طور پر اسے ایک مخصوص علاقے سے مجموعی طور پر ۲ سو من غلہ جمع کرنا ہے مگر اصل حساب کے مطابق وہ تقریباً چھ سو من وصول کرتا ہے ۲ سو من سرکار کے لئے چار سو من اپنے لئے، ٹھیکیدار کا قاعدہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ فالتو وصول کیا ہوا اپنا حصہ تو ٹھکانے لگا دیتا ہے مگر سرکار کا مال متعلقہ دیہاتوں ہی میں ایک گودام یا کسی میدان میں پڑا رہنے دیتا ہے اکثر یہ مال چھ چھ ماہ تک پڑا رہتا ہے اور اس کے اٹھائے جانے کی نوبت نہیں آتی لہٰذا اوقات یہ غلہ بے احتیاطی سے پڑا رہنے کی وجہ سے خراب بھی ہو جاتا ہے اس صورت میں ٹھیکیدار غلے کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری گاؤں والوں پر ڈال دیتا ہے اور اجتماعی جرمانے کے عادلانہ اصول کے مطابق غلے کا ہرجانہ سارے گاؤں والوں سے وصول کرتا ہے، نہ صرف ہرجانہ وصول کرتا بلکہ ہرجانہ وصول کرنے کے بعد وہ خراب غلہ گاؤں والوں سے مہنگے داموں یعنی "سرکاری نرخوں" پر بیچ بھی دیتا ہے اگر گاؤں والے سرکاری ٹھیکیدار سے وہ غلہ نہ خریدیں تو وہ کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو سکتے ہیں خراب غلے کی فروخت سے جو رقم ٹھیکیدار کے ہاتھ لگتی ہے وہ پورا سال اسی کے تصرف میں رہتی ہے اور اگلے سیزن پر سرکاری عمّال کے حوالے کی جاتی ہے۔

گوگند اور ملحقہ دیہاتوں میں ایک خاص طرز کا دیہاتی نظام بھی رائج ہے اس عدالتی نظام کی شکل و صورت ٹھیٹھ تجارتی قسم کی ہے اور اس نظام کی حدود صرف کسانوں کے ذاتی تنازعہ تک محدود ہوتے ہیں کسانوں کے بڑے بوڑھوں کا اپنا پنچائتی قسم کا غیر تجارتی اور برادرانہ نظام بھی ہے مگر بالادست طبقے اسے پنپنے نہیں دیتے کسانوں کے درمیان اول تو تنازعات بہت کم ہوتے ہیں اگر ہوتے بھی ہیں تو وہ انتہائی معمول نوعیت کے ہوتے ہیں چونکہ ذاتی ملکیت کا حق صرف خوانین ہی کو حاصل ہے اور باقی تمام اشیاء بشمول کسان آبادی "ملکیت" کے زمرے میں بطور جنس شامل ہیں لہٰذا کسانوں

یہاں مویشی پالنے پر کوئی پابند



کے آپس کے تنازعات کی بہت کم نوبت آتی ہے ان میں ظالم بھی کوئی نہیں اور غالب بھی کوئی نہیں نہ کوئی بالادست ہے نہ کوئی زبردست، سب کے سب زیردست مظلوم اور مغلوب ہیں، ان کے درمیان اکثر زمینوں کی زیادہ بولی یا رشوت کا جو مقابلہ ہوتا ہے اسے بھی تنازعات کی بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ وہ مقابلہ بھی محض مصنوعی قسم کا ہوتا ہے کسی دوسرے کسان کے خلاف زمین کی زیادہ بولی دینے والا کسان اس غرض سے زیادہ بولی نہیں دیتا کہ اپنے کسی ساتھی کو نقصان پہنچائے یا خود زیادہ فائدہ حاصل کرے بلکہ وہ محض اپنے تحفظ کے لئے ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ جس بولی کی پیشکش کر رہا ہے زمین سے اس کا پورا کیا جانا ممکن نہیں مگر وہ یہ زہر اپنے ہاتھ سے اس لئے پیتا گوارہ کر لیتا ہے کہ کہیں اپنے مدمقابل ساتھی کی طرح وہ بھی پہلے سے کئے گئے معاہدات سے محروم نہ ہو جائے۔

کسانوں کے درمیان جو چھوٹے موٹے تنازعات ہوتے ہیں انہیں منصفانہ طور سے حل کرنے کے لئے ایک خاص طریقہ رائج ہے۔ گاؤں کا انصاف کے حصول کے لئے دونوں فریقوں سے "ملکانہ" وصول کرتا ہے اس کے بعد جب فیصلہ ہو جاتا ہے تو فیصلے کے مطابق کبھی تو دونوں فریقین پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے اور کبھی ایک کو جرمانے کا سزاوار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ جرمانہ تحصیلدار یا اے سی کے خزانے میں جمع کیا جاتا ہے ملک صاحب کو جرمانے میں سے تیسرا حصہ بطور کمیشن ملتا ہے۔

قارئین محترم آپ نے گوکند کی مختصر سی کہانی پڑھ لی ہے یقیناً آپ چونک پڑے ہوں گے کہ یہ کون سی صدی کی کہانی ہے کس زمانے کا قصہ ہے اور کس عہد کی داستان ہے مگر یقین جانئے یہ اسی عہد اور اس زمانے کی کہانی ہے اور صوبہ سرحد کی کوکھ میں ایسی کئی کہانیاں اور ایسے کتنے ہی المئے ابھی محتاج بیان ہیں گوکند کے بارے میں آپ نے اب تک جو کچھ پڑھا ہے وہ یقیناً ایک ہی رخ اور جامد و ساکت انداز سے بیان کیا گیا تھا، آپ کو کسی مقام پر بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا گیا کہ ظلم و جبر کے خلاف تاریخی کشمکش کا اس وادی میں کوئی نام و نشان بھی ہے یا نہیں؟ اس کوتاہی کے لئے میری معذرت قبول کیجئے یقین جانئے اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس ماحول کا ایک عکس تھا اور عکس جامد ہی ہوتا ہے۔ گوکند کے کسانوں کے بارے میں پڑھ کر اگر آپ کے دلوں کو کچھ تھوڑا سا صدمہ بھی پہنچا ہے تو یہ جان کر آپ کو بے حد خوشی ہو گی کہ اس وادی کے کسانوں نے اب ظلم و استحصال کے خلاف اپنی کمریں کس لی ہیں۔ وہ لوگ چند افراد کی غلامی کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں، وہ اب سر جوڑ کر بیٹھنے لگے ہیں وہ محنت اور محنت کے استحصال کے بارے میں سوچنے لگے ہیں وہ بیگاری اور غلامی کے فرق کو سمجھنے لگے ہیں، ان کے تیور بدل رہے ہیں اور اب ان کے دل و دماغ میں ایسی ایسی باتیں آنے لگی ہیں جو بہت سی کتابیں پڑھنے کے بعد بھی بہت کم سمجھ میں آتی ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے اس علاقے میں خوانین نے پہاڑوں پر بھیڑ بکریاں چرانے والوں کو اپنے بیگاری کیمپوں کا قیدی بنانے کے لئے نیم کسان چرواہوں پر زور دیا تھا کہ وہ اپنے مویشیوں کو پہاڑوں پر نہ چرایا کریں کیونکہ پہاڑوں پر اگنے والی گھاس ان کی ذاتی ملکیت ہے اگر وہ یہ گھاس حاصل کریں یا پہاڑوں پر مویشیوں کو چرانے کے خواہشمند ہوں تو گھاس کی قیمت ادا کریں اور وہ تمام شرائط پوری کریں جو مالکوں کی طرف سے ان پر عائد کی جاتی ہیں۔ چرواہوں کے لئے یہ حکم نیا تو نہ تھا مگر ان کے حسن سماعت کی داد دیجئے کہ یہ پرانی بات انہیں بالکل نئی لگی، انہوں نے خوانین کو صاف صاف جواب دے دیا کہ "وہ پہاڑوں پر اگنے والی گھاس کی کوئی قیمت ادا نہ کریں گے"۔ انہوں نے کہا "ہم نہ تو پہاڑوں میں چھپی ہوئی معدنیات سے غرض رکھتے ہیں نہ جنگلات کے درختوں سے ہم صرف وہ گھاس حاصل کرتے ہیں جو کسی کی ملکیت نہیں جو اسی کی ہے جو اپنے مویشیوں کو لے کر ہزار فٹ کی بلندی پر چڑھے" اس کے ساتھ ہی انہوں نے خوانین کے دماغ سے یہ بات بھی نکال دی کہ اگر انہیں تنگ کیا گیا تو وہ جوابی کارروائی کریں گے خوانین کے لئے۔ ان گئے گذرے لوگوں کی یہ بات ایک چیلنج بن گئی، وہ اپنے تیر و تفنگ اٹھا کر مظلوموں کے درپے ہو گئے، ان کا خیال تھا یہ غریب لوگ دھمکی میں مر جائیں گے، مگر جب موقع پر پہنچے تو منظر کچھ اور ہی دیکھا۔ مظلوم لوگ مقابلے کے لئے پہلے ہی مورچوں میں نشانے باندھے بیٹھے تھے، چنانچہ سوائے فرار کے خوانین کو کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد خوانین نے سماعت کے لئے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں اپنے موقف کے مطابق مقدمہ دائر کر دیا، جواباً نیم کسان چرواہوں نے بھی جوابی مقدمہ دائر کر دیا، جب جنگلات کے بڑے بڑے ٹھیکیداروں کے لئے پہاڑوں پر اگنے والی گھاس کو ملکیت قرار دلانے کا مسئلہ محال ہو گیا تو ان کے وقار کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا اس تنازعے میں فتح حاصل کرنے کے بعد یہ مظلوم عوام اب تک کئی اور منزلیں طے کر چکے ہیں وہ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے ہیں مگر ان کا ہر قدم ایک منزل بنتا جا رہا ہے انمٹ منزل، وہ دن یقیناً اب زیادہ دور نہیں جب یہ لوگ اپنے مقدر کے خود ہی مالک ہوں گے اور ان کا بویا ہوا انہی کو ملے گا ـــــ

ی نہیں، مگر چارہ حاصل کرنے پر پابندی ہے

اللہ کی رحمت اُن کے لیے زحمت بن جاتی ہے

افتشام زرّیں فاروقی

صاحب! یہ بات بھی کتنی خوبصورت ہوتی ہے کہ کسی سے یہ کہا جائے کہ تمہارے لئے ایک نیا گھر بنایا جارہا ہے سننے والے کے ذہن میں یہی تصوّر آتا ہے کہ اُسے وہاں تمام آسانیاں ملیں گی اور پھر جب اس بے چارے کو نئی جگہ پر نہ چھت ملے نہ دیواریں نہ پیاس بجھانے کے لئے پانی ہو اور نہ پیٹ کی طلب مٹانے کے لئے کھانا تو پھر وہ کتنا بے چین ہوگا۔

افسوس! کہ ان لاکھوں مہاجروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جو بٹوارے کے بعد بھارت سے پاکستان آئے مسلمانوں کو غیر تقسیم شدہ ہندوستان میں ایک نئے ملک یعنی پاکستان کا خواب دکھایا گیا ان کے یہ چہرے اس خیال سے دمک اٹھے کہ ان کا بھی ایک وطن ہوگا۔ وہاں وہ مختارِ کل ہوں گے اور ہر قسم کی آزادی اور آسانی ان کو ملے گی سب یہی سمجھے کہ ؎

محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

مگر ان میں سے زیادہ تر کو اندھیروں کے سوا کچھ نہ ملا۔ وہ یہاں چوبیس سال سے بھوک اور پیاس کی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ ایک عوامی جمہوریہ چین ہے جو صرف اکیس سال میں دنیا کی پانچویں بڑی طاقت بن گیا ہے وہ نہ صرف اب یو این او کا ممبر ہوگا بلکہ اسے ویٹو کا حق بھی حاصل ہوگا۔ چین میں محنت کش خوشحال ہیں اور یہاں مزدور افلاس کی چکی میں پس رہا ہے وہاں دوائیں ملتی ہیں اور یہاں غریب پانی کے دو گھونٹ بھی مشکل سے پی پاتا ہے اور مر جاتا ہے ہمارے ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ٹوٹی پھوٹی جھگیوں کی بہت سی بستیاں ہیں بنارس کالونی پرانہ گولی مار گجر نالہ لیاری ندی موسیٰ کالونی اور دوسری بہت سی جگہوں پر غریبوں کے ڈیرے ہیں۔ ان بدنصیبوں کے لئے گرمی جاڑا برسات تینوں ہی موسم وبال جان ثابت ہوتی ہے اور گرمی کے دنوں میں جب دھوپ تیز ہوتی ہے اور لو چلتی ہے تو ان کے پاس اس سے بچنے کے لئے کوئی چارا نہیں ہوتا۔ جب سردیاں آتی ہیں اور اوس پڑتی ہے تب بھی ان کی ٹوٹی ہوئی چھتوں والی جھگیاں ان کو پناہ دینے کے لئے بے کار ثابت ہوتی ہیں اور جب کراچی کے سر پر بادل امنڈ آتے ہیں اور اللہ کی رحمت برستی ہے تو ان لوگوں کے لئے زحمت بن جاتی ہے تھوڑی سی بارش سے ان کی جھونپڑیاں اور سامان پانی کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور یہ لوگ مسلسل بارش میں بھیگنے کی وجہ سے بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔

مکانوں کی چھتوں سے جو پانی گر کر سڑکوں پر آتا ہے وہ سڑکوں پر کئی کئی دن تک ٹھہرا رہتا ہے اور پھر اکثر گٹروں کا پانی بھی برساتی پانی میں شامل ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گٹروں پر جنہیں مین ہول کہتے ہیں کبھی ڈھکنے لگے ہوئے نہیں ہوتے پھر اس جراثیم سے بھرے ہوئے پانی میں غربت کے مارے بچے کھیلتے ہیں تو دیکھ کر دل لرز اٹھتا ہے اور اندر سے کوئی چیخ چیخ کر پوچھتا ہے کہ کیا ان کی قسمت یہی ہے؟ جو لوگ اپنے وطن کی چاہ میں یہاں آئے ان میں سے کافی لوگوں نے راستوں میں بھی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ ویسے انسان اپنی چیز حاصل کرنے کے لئے سب کچھ گوارہ کر لیتا ہے لیکن وہ تو یہاں پہنچنے کے بعد سے آج تک بدحالی کی زد میں ہیں چوبیس برس کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی مہاجروں کو سر چھپانے کے لئے چھتیں نہ مل سکیں۔ مہاجروں کے مسائل دور کرنے کے لئے مہاجر ٹیکس لگایا گیا اگر کوئی ریل کا ٹکٹ خریدتا تھا منی آرڈر بھیجتا تھا یا ٹیلی گرام بھیجتا تھا تو اسے اصل رقم کے ساتھ مہاجر ٹیکس کے لئے بھی کچھ رقم ادا کرنی ہوتی تھی، مگر وہ رقم جو ٹیکس کی شکل میں شہریوں سے لی گئی اس کا کیا ہوا؟ دو ایک منصوبوں کے سوا کتنے پلان پورے ہوئے مہاجروں کی آبادکاری کا مسئلہ اب تک حل نہیں ہو سکا۔

جو لوگ جھونپڑیوں میں زندگی گذارتے ہیں بس وہی جانتے ہیں کہ ان پر کیا گذرتی ہے گجر نالے کے علاقے میں ایک عورت سولہ سال سے مقیم ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ آپ کو اب کچھ حالات بہتر نظر آتے ہیں؟ وہ ایک دم جل کر بولی "اُسے خاک، سب کچھ جوں کا توں ہے" اس عورت کا خاندان متھرا (بھارت) سے پاکستان آیا۔ گجر نالے آنے سے پہلے اس پر جو کچھ بیتی اسی کی ایک الگ داستان ہے

اس کے علاوہ ایک کیلے بیچنے والے کی کہانی بھی خاصا درد رکھتی ہے۔ اس کے ماں باپ پاکستان بننے سے پہلے کلکتے میں رہتے تھے اور پھر پاکستان کے بن جانے کے بعد وہ مشرقی پاکستان آگئے لیکن وہاں بھی دکھوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا سیلاب طوفان اور بے روزگاری نے اسے کراچی آنے پر مجبور کر دیا۔ کیلے والے اس لڑکے نے آٹھویں جماعت تک نہ جانے کس طرح پڑھا مگر اس کے بعد اس کے بس میں کچھ بھی نہ رہا۔ اور اسے اپنے گھر والوں کی خاطر کراچی آنا پڑا اب وہ دن بھر کیلوں کا ٹوکرا اٹھائے پھرتا ہے روزانہ سات آٹھ میل پیدل چلتا ہے تو کہیں اسے تین یا ساڑھے تین روپے کا فائدہ ہوتا ہے۔ کیلے کی فصل جب ختم ہو جاتی ہے تو وہ کوئی دوسرا پھل بیچتا ہے اور کبھی کبھی تو روزانہ کی آمدنی صرف دو ڈھائی روپے رہ جاتی ہے۔ وہ کراچی آنے سے پہلے بھی جھونپڑی میں رہتا رہا اور اب بھی اس ہی حال میں ہے

ابھی جن لوگوں کا ذکر ہم نے کیا ہے ان کے علاوہ یہاں کے مقامی رہنے والے اور وہ جو سندھ پنجاب اور دوسرے علاقوں سے روزگار کی تلاش میں کراچی آتے ہیں وہ بھی بانس اور چٹائی کی چھوٹی موٹی جھگیوں میں اپنا وقت کاٹتے ہیں اور کسی کو تو یہ بھی میسر نہیں ہوتیں آخر میں دماغ یہ سوال کرتا ہے کہ متعلقہ حکام کے علاوہ سیاسی جماعتوں نے اس سلسلے میں کیا کیا؟ کہنے کو تو سب یہی کہتے ہیں کہ ہر شہری کو جینے کا بنیادی حق حاصل ہونا چاہئے ہر ایک کو روٹی کپڑا اور مکان ملنا چاہیئے۔ لیکن اپنی پارٹی کے فنڈ سے کوئی مفلسوں کو امداد دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، کوئی ان کے لئے کوارٹر تعمیر نہیں کرواتا۔ سیاسی پارٹیاں صرف بیانات کی بوچھاڑ کرتی ہیں۔ اگر یہ سیاسی جماعتیں اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھائیں تو اس نیک کام کا سہرا ان کے سر ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا انسانوں کی آبادکاری کا مسئلہ کب تک حل ہوگا کون جانے؟

افسانہ

شبراتی کے شب و روز

اقبال نظر

سرد رات کی بیکراں تاریکی روشنی کی یلغار سے ڈر کر پیچھے ہٹی تو ندی کے کنارے پھیلی غلیظ جھونپڑیوں نے اسے سینے سے لگالیا۔ یہ ندی جہاں جہاں سے گزرتی ہے۔ وہاں وہاں شہر کی روشنیوں سے ڈر کر بھاگے ہوئے گھور اندھیرے، پسپا ہوتی ہوئی سردی اور ادھ موئے انسان بستے ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی ان جھونپڑیوں میں ایک جھونپڑی شبراتی کی بھی ہے جو پچھلے تیرہ سال سے پسپا کے ترچھے مینار کی طرح ندی کی ڈھلوانی سطح پر جھکی گدلے پانی میں اپنی شکل دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے اور اندیشہ ہے کہ جس دن اُس نے اپنی صورت دیکھ لی اسی دن وہ اس ٹھہرے ہوئے بدبودار پانی میں ڈوب مرے گی۔

شبراتی عجوبۂ روزگار ہے روز مرتا ہے اور پھر جی اٹھتا ہے۔ اس نے موت اور زندگی کی گود میں "مشترکہ پرورش" پائی ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک مل مزدور ہے۔ خود کو زندہ رکھنے کے بنیادی لوازمات حاصل کرنے کی جدوجہد میں اس کے ہاتھ مشین ہو کر رہ گئے ہیں۔ روٹی کپڑا اور پختہ جھونپڑی۔ ان تین چیزوں کی مثلث بنانے کے لئے وہ ہمہ وقت کسی نوزائیدہ بچے کی طرح کلبلاتا رہتا ہے لیکن مثلث کی تینوں لکیریں گویا ایک دوسرے سے گریزاں ہیں نزدیک آتے آتے ریل کی پٹری کی طرح بچھڑ جاتی ہیں اور وہ ہاتھ مثارہ جاتا ہے اسے چار روپے یومیہ ملتے ہیں جو کھانے ہی میں کم پڑ جاتے ہیں اور گھر کے افراد ایک کم دس ہیں ظاہر ہے ہر فرد کا پیٹ بھی الگ الگ ہے۔ گو جسم رات کو دو لحافوں میں یکجا ہو بھی جائیں لیکن دن کو وہ بھی الگ الگ پیراہن مانگتے ہیں خواہ کاغذی ہی کیوں نہ ہو۔ جسم تو بہر حال ڈھانپنا ہے۔

شبراتی کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں بیٹیاں قدرے جوان ہیں۔ علاقے میں جب بھی کوئی شادی ہوتی ہے اور نفیری بجتی ہے ان کا چہرہ بدل جاتا ہے سوچ کی آڑھی ترچھی لکیریں چہروں کو مسخ کر دیتی ہیں اور وہ گھر کے دیگر افراد سے مختلف نظر آنے لگتی ہیں بڑی لڑکی تو بالکل غیر لگنے لگتی ہے۔ ایسے میں شبراتی کا جی چاہتا ہے وہ اس کے دونوں کندھے پکڑ کر زور سے ہلائے اور چیخ کر کہے "ہوش میں آ لڑکی! تیرا نام سعیدہ ہے اور تو شبراتی کی بیٹی ہے"۔ لیکن سعیدہ سوچ سکتی ہے اسے سوچنے کا حق ہے اور وہ سوچتی رہتی ہے

شبراتی کے بیٹے ابھی چھوٹے ہیں۔ بڑا لڑکا آٹھ سال کا ہے وہ سارا دن ندی کی سیر کرتا ہے، بستی کے لڑکوں کے ساتھ گولیاں کھیلتا ہے۔ کانچ کی گولیاں نہیں بلکہ بیر کی گٹھلیاں۔ لیکن وہ کہتا یہی ہے کہ میں گولیاں کھیلتا ہوں۔ شام کو دھول مٹی سے اٹے ہوئے ہاتھ پاؤں لئے جب وہ واپس جھونپڑی میں آتا ہے تو شبراتی اس کی خوب خبر لیتا ہے۔ لیکن چند دنوں سے شبراتی نے اسے مارنا چھوڑ دیا ہے اسے مان بیکار ہے وہ کچھ نہیں کر سکتا تو آوارہ گردی بھی نہ کرے جو مفت ہو سکتی ہے۔ اس سے تو باہر رہنا ہی اچھا ہے کہ وہ گھر میں بہنوں کو تنگ کرتا ہے اور گولیاں کھیلنے کے لئے گھر میں اتنے سوراخ کرے کہ ساری زمین چیچک زدہ ہو جائے۔

بڑا لڑکا اس لحاظ سے انتہائی خوش بخت ہے کہ اسے ایک پرائمری اسکول میں داخلہ مل گیا لیکن اس لحاظ سے انتہائی بدبخت کہ اسے کتابیں، سلیٹ اور تختی نہیں مل سکی اور اب وہ فخر یہ کہہ سکتا ہے کہ "گھلنڈرے لڑکوں کی طرح وہ خود اسکول سے نہیں بھاگا بلکہ اسے بھگا دیا گیا"۔

منجھلا لڑکا ابھی چھ سال کا ہے لیکن اتنی معقول گالیاں بکتا ہے کہ اپنی عمر سے بہت بڑا معلوم ہوتا ہے شبراتی اسے روکتا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے گالیاں دینے کی یہی عمر ہے ورنہ بڑے ہو کر تو وہ ساری زندگی گالیاں سنے گا دے نہیں سکے گا۔

منجھلا لڑکا "ہری مرچ" کے ترش و تیز نام سے یاد کیا جاتا ہے کوئی بات مرضی کے خلاف ہو جائے فوراً بھڑک اٹھتا ہے یوں غصہ پکڑتا ہے جیسے پٹرول کو آگ۔ پر جس دن گھر میں، فاقہ پڑا ہو وہ بڑا معتبر اور سنجیدہ ہو جاتا ہے، جھونپڑی کے ایک کونے میں اکڑوں بیٹھا لاتعلقی سے چاروں اور تکتا رہتا ہے۔ ایسے میں وہ کونے کھدروں سے جھانکتی ہوئی چھپکلیوں کو بھی کچھ نہیں کہتا جب کہ بھرے پیٹ وہ سارا دن جھاڑو کی تیلیوں پر چونا لگا کر چھپکلیوں کے منہ پر مارتا رہتا ہے،

سب سے چھوٹا لڑکا چار سال اور کچھ مہینے کا ہے جمعرات کے دن پیدا ہونے کی پاداش میں اس کا نام جمعراتی رکھ دیا گیا۔ شبراتی کو جمعراتی ایک تو سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے پیارا ہے دوسرے وہ ہم قافیہ ہے شاید اسی وجہ سے شبراتی کو اس سے کچھ غیر محسوس سی محبت ہو گئی ہے۔

جمعراتی سارا سال نزلے سے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے یہ بیماری اسے ورثہ میں ملی ہے سردی گرمی برسات غرض کوئی موسم ہو وہ شوں شوں کرتا رہتا ہے ہر تھوڑی دیر بعد وہ داہنے ہاتھ کی میلی آستین سے ناک بھی صاف کرتا جاتا ہے جس کے باعث اس کی ناک کچھ دائیں جانب کو جھکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

چھوٹا بچہ پیسے کی قدر و قیمت کو خوب سمجھتا ہے اسے معلوم ہے کہ میٹھا چورن دو پیسہ کا ملتا ہے جب کہ کھٹا چورن ایک پیسے کا بھی آ جاتا ہے اور اگر دونوں چورن ملا کر ان میں آگ والی سلائی دکھائی جائے تو قیمت ایک آنہ قرار پاتی ہے۔ بس ماں کے پاس پیسے دیکھنے کی دیر ہے وہ بتی کے مرہم کا بچا ہو کر چپک جاتا ہے سارا گھر اس کی اس عادت سے تنگ ہے بارہا سب لوگ اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ

آج حرام خور کو کھوٹا دھیلا بھی نہیں دیں گے۔ لیکن جمعراتی کی مستقبل مزاجی اور دیر تک رونے کے فن نے گھر کے ہر فرد کو رلا رلا دیا ہے اور جیت ہمیشہ اسی کی رہی ہے۔

شبراتی حال ہی میں یتیم ہوا ہے۔ اس کے باپ کو سرطان ہو گیا تھا اور سب جانتے ہیں سرطان ایک ضدی بچے کی طرح ہوتا ہے جب تک اپنا کہا نہ منوا لے پیچھا نہیں چھوڑتا۔ باپ نے مرتے وقت اپنے اثاثے میں صرف شبراتی ہی کو چھوڑا تھا۔

شبراتی کی ایک بہن بھی تھی جو سوتے جاگتے ہر لمحے انتہائی جنگلے بلکہ ناقابل خرید قسم کے سپنے دیکھا کرتی تھی اور ایک دن تمام گھر والوں کے لئے وہ خود بھی ایک سپنا ہو کر رہ گئی اسے محلے کا ایک حلوائی کسی دوسرے شہر بھگا لے گیا لیکن باپ مرتے دم تک یہی کہتا رہا کہ وہ مر چکی ہے اس نے جس دن جھونپڑی کی حدود سے پاؤں باہر نکالا تھا اسی دن دوسرے جہاں کو سدھار گئی تھی۔

شبراتی جب کبھی بہن کے متعلق سوچتا ہے آنکھیں محبت کے آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس خیال سے یک گونہ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک فرد کی ضروریات پوری کرنے سے بچا ہوا ہے اگر وہ گھر میں ہوتی تو ہر لحظہ کڑھتی رہتی۔ اس کے لئے جہیز کے کپڑے لانا تو درکنار وہ ان کپڑوں پر لگانے کے لئے گوٹہ کناری بھی نہیں لا سکتا تھا اور اس خیال سے اسے ہول اٹھنے لگتے ہیں کہ وہ جہیز میں بجز اپنی بہن کے اور کچھ بھی تو نہیں دے سکتا تھا، اور پھر ایسی بہن کو لینے کون آتا جو دلہن اور جہیز دونوں ہی ہو۔ اور یہ سوچتے ہوئے شبراتی کی نگاہیں برتن مانجھتی ہوئی بڑی لڑکی پر اٹھ جاتی ہیں یوں لگتا ہے، جیسے سعیدہ نے برتن چھوڑ کر اس کے دل کو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے جکڑ لیا ہے اور راکھ سے خوب رگڑ رگڑ کر مانجھ رہی ہے۔ "کبھی میرے متعلق بھی سوچا کرو تمہارے دل میں میری طرف سے لاتعلقی کا جو زنگ لگ گیا ہے لاؤ اسے صاف کر دوں"۔ یہ صورت حال بڑی اذیت ناک ہوتی ہے کیونکہ اسی لمحے ایک بے چارگی کے ساتھ سارے دکھ، تمام محرومیاں اور ان گنت پریشانیاں نہ جانے کہاں کہاں سے یلغار کر کے ذہن پر دھاوا بول دیتی ہیں اور شبراتی کا وجود ان کے آگے ایک تنکا ہو کر رہ جاتا ہے وہ خود کو مطمئن کرنے لگتا ہے زیادہ سوچنا صحت کے لئے مضر ہے انسان کو عمل کرنا چاہئے۔ لیکن جد و جہد اور عمل پیہم کے جذبے تو مشینوں کے لئے وقف ہو چکے ہیں یہ دیو ہیکل مشینیں شبراتی کے تمام ولولے اور حوصلے نگل چکی ہیں حتیٰ کہ اس کا خون تک نچوڑ لیا ہے۔

جب ان مشینوں سے رنگا رنگ کپڑا بن کر نکلتا ہے تو اس پر جا بجا اس کے خون کے چھینٹے نظر آتے ہیں اس کی آرزوئیں رنگوں کی زبان میں گفتگو کرتی نظر آتی ہیں اور لاکھوں گز کپڑا اس کے ہاتھوں سے پھسل کر چمکیلی دکانوں کی زینت بن جاتا ہے لیکن اس کو کیا کہئے کہ اس کا پاجامہ نما پتلون گھٹنے پر سے تیسری مرتبہ پھٹ چکا ہے۔ ہر دفعہ پیوند داغ دیا جاتا ہے لیکن کب تک۔ اس کی زندگی کبھی کی پوری ہو چکی ہے لیکن شبراتی اسے دلاسے دے دے کر زندہ رکھے ہوئے ہے بالکل اپنی طرح۔

پتلون کی پشت پر جو جہازی سائز کا پیوند ہے اس کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ جب پتلون

> رمضانی کی تین بیٹیاں ہیں
>
> علاقے میں نفیری بجتی ہے تو
>
> اُن کا چہرہ بدل جاتا ہے

آئے دن پیچھے سے پھٹنے لگی تو شبراتی نے ایک بڑا سا پیوند لگوا لیا۔ ایک ماہ بعد اس پیوند میں بھی سوراخ ہو گیا اس نے بیوی سے حسب عادت کہا۔

"ذرا پیوند تو لگا دے"!

بیوی نے پتلون کو دونوں ہاتھوں میں لے کر سوراخ کو تاکا اور بے ساختہ ہنس پڑی۔

"پیوند میں پیوند لگواؤ گے" وہ بھی ہنسنے لگا پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"لگا دے نیک بخت لگا دے۔ بچت کرنی چاہئے"

"بچت —؟ قریب بیٹھی ہوئی منجھلی لڑکی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"ہاں ہاں بچت کرنی چاہئے" بڑی لڑکی کھلکھلا کر ہنسی اور سارا گھر قہقہے لگانے لگا۔ وہ کھسیانہ سا ہو کر ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ گھر والے ٹھیک ہی کہتے تھے جیب میں پھوٹی کوڑی بھی تو نہیں۔ بچت ہو تو کہاں سے ہو۔ جانیں بچی ہوئی ہیں۔ یہی سب سے بڑی بچت ہے۔

شبراتی کی سالگرہ ہر سال شب برات کے دن دھوم دھام سے منائی جاتی ہے گھر گھر حلوے بنتے ہیں پٹاخے چلائے جاتے ہیں، آتشبازیاں "انار" اور "بچھو" خوب خوب تماشے دکھاتے ہیں لیکن اس دن شبراتی نہ تو سالگرہ مناتا ہے اور نہ ہی شب برات جب اس کا مل مالک اس قدر امیر ہے — اس قدر کبیر ہے کہ اس کے گھر کا ہر فرد ششماہی بلکہ سہ ماہی سالگرہ تک منا سکتا ہے اور اپنے خاندان اور محلہ پر کیا موقوف — وہ سارے شہر کو اس تقریب میں مدعو کر سکتا ہے۔

شب برات کے دن شبراتی کے تاریک ذہن میں خواہشات کی لاتعداد پھلجڑیاں کھلکھلا کر ہنستی ہیں اور یہ مسکراہٹ بھی لمحے بھر میں راکھ ہو جاتی ہے، وہ سوچنے لگتا ہے اس دنیا میں غریب ہونے سے بڑا کوئی جرم نہیں۔ جرم کی پاداش میں مجرموں کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ لیکن مفلوک الحالی کا مجرم اتنی بڑی رہتی بستی دنیا کی لامحدود وسعتوں کا قیدی ہو کر رہ جاتا ہے اسے جیل کے مجرموں کی طرح چکی چلانا پڑتی ہے، محنت مشقت کا ہر وہ کام کرنا پڑتا ہے جو مہذب دنیا کے "انسانوں" کے بس کا روگ نہیں لیکن وہ پھر بھی معتوب ہے کیونکہ وہ مجرم ہے اور مجرم بھی عمر قید کا۔ جس کا نفاذ پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور رہائی مرنے کے بعد ہی عمل میں آتی ہے۔

لیکن گستاخی معاف بین السطور وہ بات تو اب یاد آئی جو نیم چڑھے کریلے الیا ذائقہ رکھتی ہے۔

جگمگاتی رنگین آبادیوں کے باسی کان کامیں صاف کریں اور واشگاف الفاظ میں سن لیں کہ وہ گلے سڑے اور نیچ انسان جنہیں کوڑے کا ڈھیر سمجھ کر اندھے گڑھوں میں پھینک دیا گیا ہے سانس لے رہے ہیں، جی رہے ہیں اور جیتے رہیں گے۔ بے شک تہذیبی غاروں میں اور دریاؤں کے کنارے ہی پروان چڑھی ہیں۔

ملک پر فوج کے وڈیروں کا قبضہ نہ ہوتا تو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے



"بھٹو صاحب کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے کہ انہیں عوام کا تعاون حاصل نہیں ہوا" ڈاکٹر عبدالغفار

الفتح رپورٹ

پاکستان کی ۲۴ سالہ تاریخ میں مغربی جمہوریت تک قائم نہ ہو سکی۔

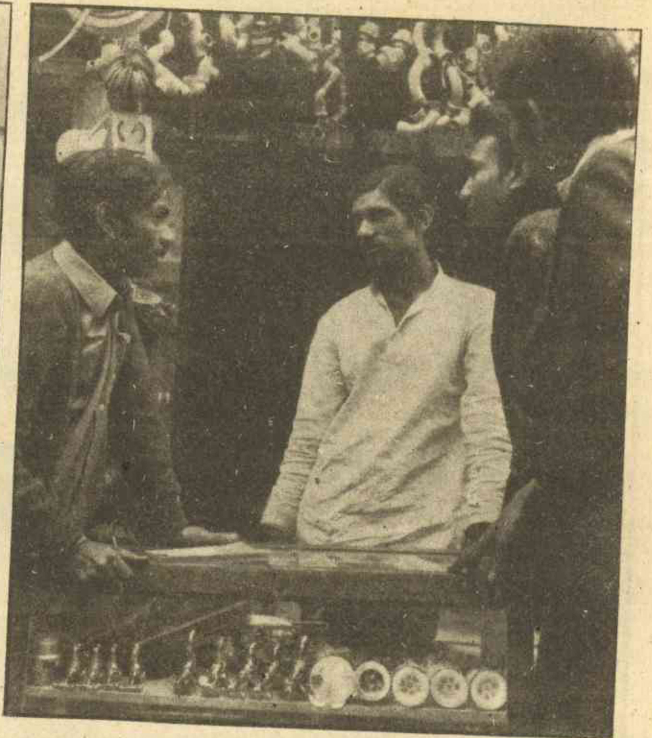
مفاد پرست طبقہ ہمیشہ غلام محمد، اسکندر مرزا، ایوب خان اور یحییٰ خان جیسے مطلق العنان آمروں کی ننگی آمریت کے سائے میں پناہ ڈھونڈتا رہا۔ اسے جمہوریت کی اس شکل سے بھی خوف آتا تھا جس میں اس طبقے کی بالادستی حاصل رہتی ہے، وہ عوام کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے رہے، جمہوری حکومتوں کے قیام کے راستے میں روڑے اٹکاتے رہے، ایوب خان سے قبل سرکاری دفاتر کے منشیوں کا قبضہ رہا، ایوب خان سے فوجی جنتا مسندِ اقتدار پر براجمان ہوئی، عوام کا دم گھٹتا رہا۔ اسٹیٹ مشینری ان کا استحصال کرتی رہی، مفاد پرست طبقہ ان آمروں کے زیر سایہ پھلتا پھولتا رہا، اس کی ہوسناکیاں بڑھتی گئیں اور عوام۔ بدنصیب اور مظلوم عوام کی چیخیں کربناک ہوتی گئیں، دسمبر ۷۰ء میں انتخابات کا ڈھونگ رچایا گیا، برسرِ اقتدار طبقہ کو امید نہ تھی کہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی اور سرحد اور بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام جیسی سامراج دشمن اور ترقی پسند جماعتیں، اکثریت میں ابھریں گی۔ انتخابات کے نتائج مفاد پرست طبقہ کے مفادات کے خلاف تھے، اندرونِ خانہ سازشیں ہونے لگیں۔ انتخابات کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ اقتدار خاموشی سے عوامی نمائندوں کو منتقل کر دیا جاتا۔ عوامی خواہشات کو کچلنے اور دبانے کے لئے توڑ جوڑ اور الٹ پھیر کا سہارا لیا گیا جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کا عظیم المیہ رونما ہوا۔ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے رہنما، مسٹر ذوالفقار علی بھٹو بار بار آنے والے طوفان کی طرف اشارہ کرتے رہے اور اقتدار کو عوامی نمائندوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کرتے رہے۔ انہوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ "اگر دسمبر تک عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل نہ کیا گیا تو حالات انتہائی سنگین ہو جائیں گے اور اس کی ذمہ داری ہم پر نہ ہو گی"۔ حالات نے ان کی پیشین گوئی کو صحیح ثابت کر دیا۔ مشرقی پاکستان پر مکتی باہنی اور بھارت کا قبضہ ہو گیا، یحییٰ خان نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ملک کو داؤ پر لگا دیا۔ اب جبکہ ان کے لئے مزید اقتدار سے چمٹے رہنا ناممکن ہو گیا تو انہیں مجبوراً دستبردار ہونا پڑا۔

نئے صدر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو جن بگڑے ہوئے قومی اور بین الاقوامی حالات کا سامنا ہے، عوام اس سے پوری طرح باخبر ہیں، ۲۳ سالوں کی گھٹن اور مصائب کے مہیب بادلوں کے درمیان میں سے نئی زندگی کی ایک کرن نظر آئی ہے، حالات کے سنورنے میں دیر لگے گی، لیکن عوام مایوس نہیں ہیں۔ انہیں اس بات پر پکا یقین ہے کہ عوام کو اتنے قریب سے دیکھنے کے بعد بھٹو ان کے دکھوں کا مداوا بن جائیں گے۔ خصوصاً ان کی عوامی تقریر کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا، پہلی بار انہیں محسوس ہوا ہے کہ اسلام آباد کے ایوانِ صدر اور رنگی ٹاؤن کے درمیان سے امتیاز و افتخار، بلندی اور پستی کے سارے دبیز پردے ہٹ گئے سارے فرق مٹ گئے۔ عوام کو پہلی بار اس بات کا خوشگوار احساس ہوا ہے کہ دراصل وہی اقتدار کا سرچشمہ ہیں۔ "میں آپ کی حمایت کے بغیر ایک بونا ہوں، اور آپ کے تعاون سے کوہ ہمالیہ ہوں"۔

کراچی کے چھوٹے موٹے دکانداروں، کاریگروں، مزدوروں، اور طالب علموں نے ان کی تقریر اور لب و لہجہ کو خصوصیت سے پسند کیا ان کا خیال ہے کہ پاکستان کی ۲۴ سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ صدر کی حیثیت میں ایک عوامی نمائندے نے عوام سے براہ راست اس انداز میں بات کرتے ہوئے کہا "یقین کیجئے۔ جو لوگ مجھ سے دور ہیں۔ وہ مجھ سے بہت قریب ہیں، میرا کوئی رشتہ دار نہیں، میرے رشتہ دار عوام ہیں"۔

لیاقت اشرف کالونی محمود آباد کے ایک سماجی کارکن مسٹر محمود بٹ نے کہا "بھٹو صاحب نے عوام سے بہت وعدے کئے ہیں، انہیں اقتدار بھی مل گیا۔ اب انہیں چاہیئے کہ وہ عوام کے مسائل حل کریں، بے روزگاری ختم کرنے کیلئے خصوصی اقدامات کریں"

نرسری میں سینیٹری کے ایک دکاندار محمد فیاض نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا "مجھے ان کی پہلی تقریر بہت اچھی لگی۔ ایسا لگا جیسے میرا بڑا بھائی مجھ سے مخاطب ہے۔ یقین کیجئے مشرقی پاکستان میں ہارنے کا بڑا غم تھا، بڑی شرمندگی تھی، مگر بھٹو صاحب کی تقریر سے غم کا بوجھ ہلکا ہوا اور شرمندگی ایک دم سے ختم ہو گئی۔ مجھے ان کی تقریر کی سب سے اچھی بات یہ لگی کہ انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ



"چھوٹے دکاندار بھی نئی اصلاحات کے منتظر ہیں"۔ سینٹری۔ محمد فیاض



"مزدوروں کے مسائل حل کئے جائیں"۔ سید احمد کارپنٹر

ایوانِ صدر اور اورنگی ٹاؤن کے فاصلے کم ہو گئے

دیا کہ میرا کوئی رشتہ دار نہیں، عوام میرے رشتہ دار ہیں۔ عوام سے بہت وعدے کئے گئے۔ اب وقت آگیا کہ ان وعدوں کو پورا کیا جائے۔ اگر اب بھی عوام کا خواب پورا نہ ہوا تو شاید کبھی پورا نہ ہوگا"۔

اسی دکان پر کام کرنے والے کاریگر سلیم نے کہا "مجھے بھٹو صاحب کی تقریر کا وہ حصہ بہت اچھا لگا جس میں انہوں نے سرمایہ داروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "غیر ملکی بنکوں میں روپیہ جمع کرنے والوں سے کہوں گا کہ وہ اپنا روپیہ فوراً پاکستان میں واپس منگوالیں۔ وہ روپیہ نہیں، انسانی خون ہے، اس خون کی یہاں ضرورت ہے"۔

سینٹری کے ایک دوسرے دکاندار منور علی نے تقریر کو بہت پسند کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ "اس میں عوامی احساسات کا رنگ جھلکتا ہے انہیں تقریر کا یہ حصہ زیادہ پسند آیا، جس میں کہا گیا تھا مزدور ہاتھ چلاتے ہیں تو مشینوں کا دل دھڑک اٹھتا ہے، کسان ہل چلاتے ہیں تو زمین سونا اگلنے لگتی ہے۔ میں ان کے مسائل سے بخوبی آگاہ ہوں، مزدوروں، محنت کشوں، کاریگروں اور دستکاروں سے اب مزید ناانصافی نہیں کی جائے گی۔ اور ان کے مسائل فوراً حل کئے جائیں گے"۔

صدر میں پان کی ایک چھوٹی سی دکان کے مالک اسماعیل یوسف نے کہا "بھٹو صاحب کی تقریر امیروں اور غریبوں دونوں کے لئے یکساں تھی، دونوں کو تسلی کی دعوت دی گئی، ہمارے لوگوں کو ان کی تقریر بہت پسند آئی"۔

حافظ نور محمد مرغیوں کا چھوٹا سا کاروبار کرتے ہیں۔ وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے زبردست مداح رہے ہیں، ان کی دکان کے اندر مسٹر بھٹو کی پرانی تصویریں بھی لگی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ "میں تو دن رات اللہ سے دعا کرتا تھا۔ کہ خدا انہیں اقتدار دلوا دے۔ ویسے بھی وہ اس کے حق دار تھے۔ مگر انہیں یہ حق یحییٰ نے بہت دیر سے دیا۔ اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے پاکستانیوں کو بڑی شرمندگی کے دن دیکھنے پڑے۔ مگر بھٹو کے آجانے سے اب امید پیدا ہو گئی ہے کہ ہم بھارت سے انتقام لے کر اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر لیں! انہوں نے اپنی تقریر میں ہر مسئلے پر عوام کو سمجھایا، بڑے دوستانہ طریقے سے۔ بڑا مزا آیا ان کی باتوں سے حوصلہ بھی بڑھا انہوں نے برطرف کئے جانے والے جنرلوں کو موٹا، بھدا اور افواج پاکستان کے "وڈیرے" کا نام دیا۔ تقریر کی یہ بات خاص طور پر پسند آئی۔ اگر ملک پر فوج کے ان وڈیروں کا قبضہ نہ ہوتا۔ تو عوام اور فوج کے جیالے جوانوں کو بدنصیبی کے یہ دن ہرگز نہ دیکھنے پڑتے"۔

اقبال قریشی گوشت بیچتے ہیں، شہر کے ایک نواحی علاقے لانڈھی میں رہتے ہیں۔ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے انہوں نے چھوٹتے ہی کہا "بھٹو صاحب کی تقریر میرے آس پاس کے تمام دکانداروں نے بہت پسند کی، ان کی یہ بات تو بہت اچھی لگی کہ عام آدمی خصوصاً غریب کی عزت کی جائی۔ عام آدمی ۲۴ سالوں سے بے عزت ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے ساری قوم بے عزت ہو گئی ہے۔ بھٹو نے جنرلوں کو ہٹا کر افواج پاکستان کو گندگی سے پاک کر دیا۔ تحمل سے کام لے کر بھارت والوں سے بدلہ لینا ہے۔ ہم نے تو تہیہ کر لیا ہے کہ حالات کو سازگار بنانے کے لئے صدر مملکت کا ساتھ دیں گے اور مشرقی پاکستان کو آزاد کروائیں گے"۔

اخبار فروخت کرنے والے عبدالغفار نے اپنے تاثرات لکھواتے ہوئے کہا "بھٹو جی نے بڑے مخلصانہ طریقہ سے تمام باتیں عوام کے سامنے رکھ دی ہیں۔ انہوں نے مسائل حل کرنے کے لئے عوام سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ عوام کو ان سے تعاون کرنا چاہیئے تاکہ وہ قوم سے کئے ہوئے سارے وعدے پورے کر سکیں انہیں یہ کہنے کا ہرگز موقع نہیں ملنا چاہیئے کہ قوم اور ملک کی تعمیر میں انہیں عوام کی طرف سے بھرپور تعاون نہ ملا، وعدے بہت کئے گئے۔ ان پر عمل نہیں کیا گیا۔ بھٹو صاحب بھی وعدے کر رہے ہیں۔ مگر ان کے وعدے اور پہلے والوں کے وعدوں میں فرق ہے یہ عوامی نمائندہ ہیں۔ بیک وقت چار پانچ جگہوں سے کامیاب ہوئے ہیں۔ عوام کو قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے مسائل سے واقف ہیں۔ اگر ان مسائل کو بھٹو نے بھی حل نہ کیا تو پھر آسمان سے فرشتے آئیں گے۔ میں نے ان کی پہلی تقریر سنی۔ اس سے پہلے ان کی کوئی تقریر نہیں سنی تھی۔ ان کی سب سے اچھی بات تو یہ لگی۔ "آپ میرا ساتھ دیں

تو میں ہمالیہ سے زیادہ اُونچا ہوں"۔ بھٹو صاحب کی اس بات سے ایک بات سمجھ میں آئی۔ انہوں نے عوام کی طاقت کا صحیح اندازہ لگایا"

سید احمد کارپینٹر ہیں، ملیر کی ایک جھگی میں رہتے ہیں چہرے پر جھریاں ہیں، ہاتھوں میں مشقت کے نشان ہیں، خشخشی داڑھی اور سر پر میلی سی ٹوپی۔ میرے سوال سن کر مسکرا دیئے "بھیا اخبار والے خوب ہوتے ہیں۔ کوئی بات ہو جائے، آپ لوگ اپنا مطلب نکالنا شروع کر دیتے ہیں، جہاں تک تقریر کا تعلق ہے قابل تعریف تھی، ہماری ہمت بڑھی ہے۔ پوری قوم کو ایک بار پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا موقع ملا، انہوں نے بتایا کہ اس ملک میں غریبوں کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوئی، بڑے دکھ دیئے گئے، انہیں روٹی روزگار سے محروم رکھا گیا۔ لانڈ ہی کورنگی بنے رہے تقسیم کے وقت میرا کیا کچھ تباہ نہ ہوا، مجھ جیسے لاکھوں کروڑوں افراد ہوں گے، جنہوں نے ایک آزاد ملک کی خاطر کیا کیا قربان نہ کر دیا ہو گا۔ مگر ۲۳ سالوں سے ان تمام قربانیوں کو فراموش کر دیا گیا، غریبوں کو زیادہ غریب اور امیروں کو زیادہ امیر بنایا گیا۔ بھٹو نے ٹھیک ہی کہا کہ غریبوں کو رسوا کیا گیا اس لئے ملک کو رسوائی کے دن دیکھنے پڑے۔ اگر ملک کے مزدوروں اور چھوٹے آدمیوں کے ساتھ انصاف کیا جاتا تو شائد یہ دن نہ دیکھنے پڑتے، اس بدنصیبی کے بعد بھی عام آدمی کو خالی خولی وعدوں اور نعروں پر ٹرخایا گیا تو پھر اس حصے پر بھی تباہی ٹوٹ پڑے گی، لیکن مجھے امید ہے، بلکہ یقین ہے بھٹو اس ملک کیلئے قوم کے لئے اور ہم جیسے غریبوں کے لئے کچھ نہ کچھ کریں گے اور مشرقی پاکستان کو واپس دلائیں گے، ویسے ان کی تقریر کی ساری باتیں بہت اچھی تھیں، کاش وہ ایسے ہی اچھے اچھے کام بھی کر دکھائیں"۔



"مجھے پوری امید ہے کہ بھٹو صاحب عوام کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے" حافظ نور محمد

عام آدمی کو رُسوا کیا گیا اس لیے ملک کو رُسوائی کا سامنا ہُوا

الوالوانز سکینڈری اسکول نئی کراچی میں نویں کلاس کے ایک طالب علم تاج عثمانی نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا "ابو نے بتایا ہے، بھٹو صاحب سوشلسٹ ہیں، سوشلسٹ جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے، چاہے جان چلی جائے۔ میرے ابا جوتے کے معمولی کاریگر ہیں، گھر کا گذارہ مشکل سے ہوتا ہے، اسکول کی فیس جمع کرنے میں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسکول سے نکال باہر کرنے کی دھمکی ملتی ہے، ماسٹر صاحب کو میرے گھر کی مشکلات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ انہیں تو وقت پر فیس چاہیئے میں نے اپنے ابو کے ساتھ بھٹو صاحب کی تقریر سنی، ان کی باتیں بہت اچھی لگیں، اگر وہ ہم جیسے غریب طالب علموں کے بارے میں بھی کچھ کر دیں تو بہت ہی اچھی بات ہو گی، انہوں نے طالب علموں سے وعدہ بھی کیا ہے، ہمارا تعلیمی نظام بڑا خراب ہے بڑے آدمیوں کے بچے بڑے بڑے اسکولوں میں پڑھتے ہیں، اور بڑا ہو کر بڑا آدمی بن جاتے ہیں، ہمارے ابو جیسے لوگوں کے بچے ہر لحاظ سے چھوٹے رہتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے نئی کراچی میں ایک بھی سرکاری اسکول نہیں ہے۔ پرائیویٹ اسکول والے خوب پیسے بٹورتے ہیں۔ اب تو ایسا نہ ہو گا"۔



"سرکاری اسکولوں میں اضافہ کیا جائے"۔ تاج عثمانی:

کمپٹرولر سندھ کے ایک گزیٹیڈ افسر نے نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا، بھٹو صاحب کی تقریر کا زبردست خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "اس ملک کی تباہی کی سب سے بڑی ذمہ داری بدعنوان نوکر شاہی پر عائد ہوتی ہے۔ فلاحی ملکوں میں نوکر شاہی عوام کی خدمت کے لئے ہوتی ہے، بدقسمتی یہ رہی کہ ہمارے ہاں نوکر شاہی ایسٹ انڈیا کمپنی کا کردار ادا کرتی رہی۔ تباہ کن اور خطرناک، بھٹو صاحب کو اس جانب خصوصی توجہ دینی ہو گی۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی تقریر میں اشارہ کیا"۔

بھٹو صاحب کی پہلی نشری تقریر کے اہم پہلو مندرجہ ذیل ہیں جنہیں عوام کے مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد نے خصوصیت سے پسند کیا۔

- عوام کو پہلی بار اسلام آباد کے قصر صدر اور اونگی ٹاؤن کے درمیان فرق ختم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔
- اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں۔

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں

کھیل کے وڈیروں کا بھی حساب کتاب ہو جائے

لطافت علی صدیقی

جنگ ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اس جنگ میں ہمیں ملک کے ایک بڑے حصے سے محروم ہونا پڑا۔ چودہ روزہ جنگ میں ناقابل مندمل زخم لگے اور شرمندگی کے گہرے دکھ سہنے پڑے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی تاریخ کے وہ سنہرے دن بھلا دیئے جو فتوحات اور کارناموں سے بھرے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں پاک افواج کے ان سپاہیوں سے ہتھیار ڈلوا دیئے گئے، جو اپنی بہادری اور دلیری کے سبب پوری دنیا میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آخر اس المناک حادثہ کے پیچھے کیا راز ہے، کون سی طاقتیں، خاموشی سے ہمیں اس ذلت اور رسوائی پر آمادہ کر گئیں، اس کا صحیح جواب آنے والا وقت ہی دے گا۔ ہم نے بھارت کے رجعت پسند حکمرانوں کو ایک بار نہیں کئی بار میدان جنگ میں پچھاڑا ہے۔ مشرقی محاذ پر ہماری اس عارضی شکست کے پیچھے بین الاقوامی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں بالآخر اپنا کام دکھا گئیں۔

اس المناک واقعہ کے ساتھ مکتی باہنی اب تک ہزاروں مغربی پاکستانیوں کو قتل کر چکی ہے۔ بھارت کی فاتح فوج ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان کے قتل کے منظر کو خاموشی اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہی ہے، سڑکوں، بازاروں اور گلیوں میں بے شمار انسانی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں اور فاتح فوج ان لاشوں سے فاتحانہ انداز سے گذر رہی ہے، بھارت کے رجعت پسند ٹولے جس کا موقف تھا کہ اس نے مشرقی پاکستان میں عوام کو بچانے کے لئے مداخلت کی تھی۔ اب اس کی آنکھوں کے سامنے عوام کے دوسرے حصے کے افراد وسیع پیمانے پر قتل کئے جا رہے ہیں۔

مشرقی پاکستان کے سقوط کے بعد مغربی پاکستان کے محاذ پر فائر بندی یحییٰ حکومت کا سب سے بدنما داغ ہے جسے پاکستانی کبھی نہیں بھلا سکتے۔ بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی اپیل پر مغربی پاکستان میں جنگ بندی سے پاکستان کے عوام دل شکستہ ہو گئے۔ انہیں یحییٰ خان سے ایسی بزدلی کی امید نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام سڑکوں پر نکل آئے، بازاروں میں امنڈ آئے اور اعلانیہ فوجی جنتا کے خلاف نعرے بلند کئے۔ عوام کے اس ابلتے کھولتے ہوئے جذبات کا نشانہ خصوصیت کے ساتھ یحییٰ خان بنے، جن کے اقتدار سے چمٹے رہنے کی ہوس نے پاکستانیوں کو دولخت کر دیا، اور مشرقی پاکستان میں ایک ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یحییٰ حکومت کو عوام کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑا انہوں نے بالآخر مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا۔ مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت۔ پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار سونپ کر یحییٰ خان نے استعفیٰ دے دیا۔ کراچی کے عوام، پاکستان کے دیگر علاقوں کی طرح اس عظیم المیہ کے بنیادی ذمہ دار یحییٰ خان کو سمجھتے تھے انہوں نے کھلے عام یحییٰ خان کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا۔

یہ سارے واقعات پندرہ دنوں کے اندر اندر رونما ہو گئے عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کئے جانے کے بعد بے شمار محاذ تقریباً ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ لقیہ بھی چند دنوں میں بتدریج معمول پر آجائیں گے۔ لیکن کھیل کے محاذ پر ہمیں اب پہلے سے زیادہ مضبوط اور چوکس رہنا ہوگا۔ ہمیں اپنے اصولوں پر زیادہ ثابت قدمی سے اس وقت تک ڈٹے رہنا ہے، جب تک کھیل کے بدعنوان جنرلوں اور وڈیروں کا صفایا نہیں ہو جاتا اور ان کی جگہ اہل اور جائز افراد منتخب نہیں کر لئے جاتے۔ ہم اپنا قلم اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہی حق گوئی ترک کریں گے جب تک کھیل کے قاتلوں کا حساب بیباک نہیں کر دیا جاتا۔

پہلے فوجی آمریت تھی۔ ہماری کوئی شنوائی نہ تھی لیکن اب عوامی نمائندوں کی اپنی حکومت ہے، اس لئے ہمیں اس بات پر پورا یقین ہے کہ ان موقع پرستوں، اور کھیل کے دشمنوں کے سیاہ کارناموں کو سامنے لایا جائے گا۔ اور کھیل کے ذریعہ جن عہدیداروں نے جائیدادیں بنائی ہیں۔ انہیں ضبط کر لیا جائے گا

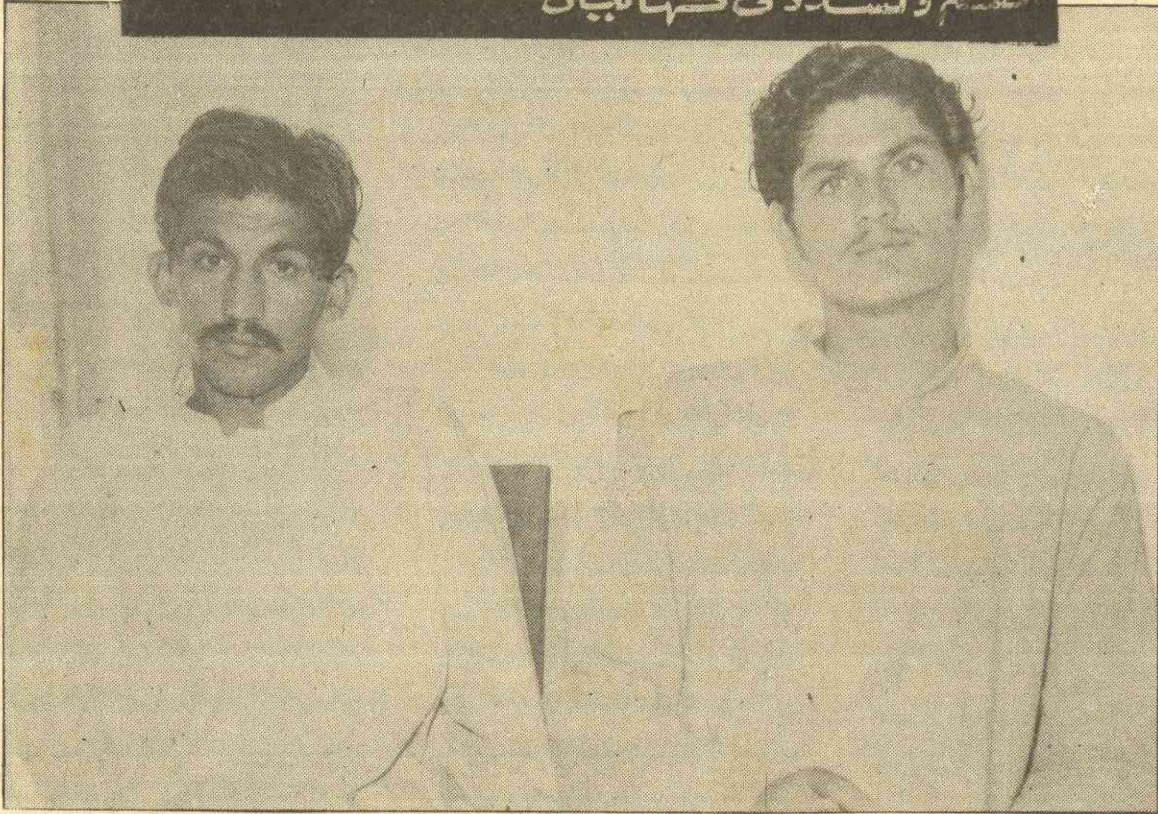
الفتح میں ان نام نہاد پیشہ ور قسم کے عہدیداروں کے سیاہ کارنامے مسلسل شائع ہوتے رہے ہیں، ان میں باکسنگ تنظیم کے چوہدری مسٹر انوار چوہدری کا نام سرفہرست ہے اس آدمی نے گذشتہ ۲۰ سالوں سے کھیل کی ۴۵ فیصد تنظیموں پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے موصوف نے سندھ اولمپک ایسوسی ایشن کے نام سے ایک بوگس تنظیم بھی قائم کر رکھی ہے اس کے دفتر کا علم صرف ان کی پارٹی کے افراد کو ہے۔ باقی کھیل سے دلچسپی رکھنے والے تمام افراد اس پراسرار دفتر سے لاعلم ہیں۔ انہوں نے ابھی حال ہی میں نیشنل اسپورٹس ٹرسٹ قائم کی ہے اس کے ذریعہ آپ کانڈا والا بلڈنگ کے بالمقابل بندر روڈ پر کھیل کی ایک شاندار عمارت قائم کرنے کے چکر میں ہیں۔ اس منصوبے پر کروڑوں روپے خرچ ہوں گے۔ نئی حکومت کو اس مسئلے پر فوری توجہ دینی ہوگی اور اس منصوبے کے پس پردہ کام کرنے والے عزائم کا پتہ چلانا ہوگا۔

مسٹر انوار چوہدری کے بعد دوسرے بڑے وڈیرے مسٹر نقی بٹ کا نام آتا ہے۔ آپ پاکستان ریسلنگ فیڈریشن کے سیکرٹری ہیں۔ یہ "چوہدری گروپ" کے سب سے بااثر آدمی ہیں۔ اب تک اس تنظیم کے بے شمار بے گناہ کھلاڑی ان کی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بن چکے ہیں۔ کھلاڑیوں کو معطل کرنے میں انہیں خاص مہارت حاصل ہے معطلی کی وجہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے

مسٹر جمیل اختر عزیز کا شمار بھی انہیں اجارہ داروں میں ہوتا ہے یہ بیک وقت تین تنظیموں کے چیئرمین ہیں۔ ریسلنگ کی سیلکشن کمیٹی کے چیئرمین ہونے کے علاوہ باک سنگ اور ہاکی کی تنظیموں کے بھی چیئرمین ہیں۔ حالانکہ ان کا اسپورٹس سے کوئی موثر تعلق نہیں ہے، بس چیئرمین ہیں۔ اور اس وقت تک چیئرمین رہنے کا عزم رکھتے ہیں، جب تک انہیں زبردستی اس میدان سے دھکا دے کر نکال باہر نہیں کیا جاتا۔

ایک ریٹائرڈ پولیس افسر مسٹر ابوالحسن کے بارے میں بھی کافی لکھا جا چکا ہے۔ جو پاکستان ایتھلیٹک فیڈریشن کے خودساختہ سیکرٹری ہیں۔ اور اس بہانے اب تک بے شمار ملکوں کا غیر قانونی دورہ بھی کر چکے ہیں۔

کھیل کی تمام تنظیموں سے ان وڈیروں اور چوہدریوں کا قلع قمع کرنے کے لئے نئی حکومت کو خصوصی توجہ دینی پڑے گی پاکستان اولمپک ایسوسی ایشن کے موجودہ ڈھانچے کو ختم کر کے فوری طور پر کھیل کی تمام تنظیموں پر مشتمل ایک ایڈہاک کمیٹی تشکیل دینی ہوگی۔ اور ساتھ ہی معطل کئے جانے والے نام نہاد عہدیداروں کے خلاف فوری کارروائی شروع کر دی جائے۔



داؤد کاٹن ملز کے مزدور اقبال احمد خان اور شاہ جہاں خان جو پولیس کے ظلم و تشدد کے شکار ہوئے۔

سیٹھ داؤد کا حکم چلا اور ظلم کے دروازے کھل گئے

الفتح رپورٹ

پاکستان کی ۲۴ سال کی تاریخ استحصال ظلم و استبداد اور جبر و تشدد کی تاریخ ہے۔ ۲۴ سال سے مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور عوام پر ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ مزدور اپنے حقوق کے حصول کے لئے اپنی جھولی پھیلائے کہاں کہاں نہیں پھرا۔ قانون کے تحت ملنے والی مراعات کا مطالبہ کیا تو ملز مالکان کے زرخرید غنڈوں نے اسے زدوکوب کیا اور بے روزگار کیا قانون کے محافظوں سے رجوع کیا تو خود ہی مجرم قرار پایا۔ قانونی ہڑتال کی تو اس کے خون پسینے کی کمائی سے دیئے جانے والے محصول پر پلنے والی پولیس نے اس کے سینے کو گولیوں سے چھید ڈالا۔ مزدور نے انصاف مانگا تو اس سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا گیا۔ میرے دیس کی گلیاں، کوچے، سڑکیں، درو دیوار گواہ ہیں کہ وہ کون سا ظلم ہے جو ان مظلوم محنت کشوں پر روا نہیں رکھا گیا۔

ایوب خاں گیا۔ مارشل لاء آیا۔ نئی لیبر پالیسی کا ڈھونگ رچایا گیا۔ نام نہاد مزدور لیڈروں نے حسب روایت اس پالیسی کی مداح سرائی کی اور تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دیئے نہ صرف انھوں نے بلکہ ان مزدور رہنماؤں نے بھی اس پالیسی کا خیر مقدم کیا۔ جو بزعم خود ترقی پسند بنے ہوئے ہیں۔ ایسے تمام رہنما نور خاں کی خوشامد کرنے میں مصروف تھے۔ لیکن اس پالیسی کا پول جلد ہی کھل گیا۔ اور مزدوروں کو معلوم ہو گیا کہ استحصالی نظام کی گرفت ویسی ہی ہے۔ اور اب بھی "کارخانوں میں لہو پگھلتا ہے انسانوں کا"۔ چنانچہ حالات نے انھیں اپنا مقدر کو بدلنے کی ضرورت کا احساس دلایا اور مقدر صرف اور صرف جدوجہد، جدوجہد سے ہی لایا جا سکتا ہے۔

اس مقدر کو بدلنے کے لئے "۲۵ مارچ ۱۹۷۰ء کو داؤد کاٹن ملز کے مزدوروں نے قانونی ہڑتال کی۔ ہڑتال کا ہونا تھا کہ اجارہ دار سرمایہ دار، نوکر شاہی، اور اس کے ایجنٹ ایک دوسرے کے مفادات کے تحفظ کے لئے حرکت میں آگئے۔ داؤد کے مفاد پر زد پڑی۔ کراچی کی انتظامیہ

"یہ لیڈر لوگ ہیں، اِن کی خوب خاطر کرو" سیٹھ اَبّو

نے لانڈھی ایریا کو پولیس اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا اور محنت کشوں پر ایک نئے عنوان سے ظلم و تشدد کی داستان رقم ہوئی۔ اس ظلم و تشدد کا مقصد یہ تھا کہ داؤد ملز کے مظلوم محنت کشوں پر اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے مزدور تحریک کو کچلا جائے۔

اقبال احمد خاں اور شاہ جہاں خان داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کے سرگرم کارکن ہیں۔ ہڑتال کے بعد یہ دونوں اپنی یونین کے صدر خواجہ نجیب کے ساتھ ملز سے باہر آ رہے تھے کہ پولیس نے جو گیٹ پر پہلے ہی قبضہ کر چکی تھی۔ باہر نکلنے سے روک دیا۔ گیٹ بند تھا۔ ایک ڈی ایس پی کی قیادت میں پولیس کی بھاری تعداد گیٹ پر موجود تھی۔ سیٹھ ابّو اور ملز کا آفیسر بکار خاص ایس ایس جعفری بھی وہاں موجود تھے۔ سیٹھ ابّو نے کہا "تمھیں باہر جانے نہیں دیا جائے گا۔ تم اپنے آپ کو گرفتار تصور کرو۔" خواجہ نجیب نے کہا کہ "ہماری ہڑتال قانونی ہے۔ آپ بغیر وارنٹ کے نہ تو ہمیں گرفتار کر سکتے ہیں اور نہ بلاوجہ روک سکتے ہیں"۔ اس پر ڈی ایس پی نے دروغ بیانی سے کام لیتے ہوئے انھیں یقین دلایا کہ "آپ قطعی آزاد ہیں۔ صرف ایس پی اور ایس ڈی ایم کی آمد تک یہاں رہیں وہ آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں"۔ تین بجے کے قریب ایس ڈی ایم صاحب آئے اور انھوں نے کوئی پوچھ گچھ کیے بغیر انھیں حوالات میں لے جانے کا حکم دے دیا۔ اور اس طرح انھیں ڈرگ کالونی کے تھانے میں بند کر دیا گیا۔ تھانے میں ان پر کیا بیتی یہ آپ اقبال خاں کی زبانی سنیے۔

"ڈرگ تھانے کی حوالات میں بند ہوئے ایک گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ لانڈھی تھانے کا اے ایس آئی عبدالشکور، جو سیٹھ داؤد کا خاص آدمی شمار کیا جاتا ہے، حوالات میں داخل ہوا۔ اور آتے ہی ماں، بہن کی گالیاں بکنے لگا۔ مجھے بالوں سے پکڑا۔ میرے سر کو تین چار بار دیوار سے ٹکرایا۔ مجھے چکر آ گئے اور فرش پر گر پڑا۔ اس پر بھی اسے کوئی رحم نہ آیا۔ اس نے لاتوں، مکوں کی بارش کر دی۔ اور ڈنڈے سے میرے ٹخنوں پر شدید ضربیں لگائیں۔ درد اور کرب سے میں چلا اٹھا۔ اس کے بعد وہ خواجہ نجیب اور شاہ جہاں خان کو زدوکوب کرنے کے بعد باہر چلا گیا۔ اس دن ہمیں شام کا کھانا بھی نہیں دیا گیا۔"

"اگلے دن یعنی ۲۶ تاریخ کی رات کو ایک بج کر چالیس منٹ پر شکور اے ایس آئی دوبارہ حوالات میں داخل ہوا۔ گالیوں سے نوازنے کے بعد اس نے کہا "ملز چالو ہو گیا ہے۔ تمام مزدور کام پر آ گئے ہیں۔ چلو تمھیں سیٹھ نے بلوایا ہے۔" خواجہ نجیب اور مجھے ہتھکڑیوں میں جکڑ کر حوالات سے باہر نکالا گیا۔ شاہ جہاں خاں اور دیگر ۱۷ مزدور حوالات میں ہی بند رہے۔ ہمیں پولیس وین میں داؤد ملز میں لے جایا گیا۔ ملز کے احاطے میں وین روکی۔ پولیس کی بھاری تعداد نے ہمیں گھیر لیا اور ملز کے افسر بکار خاص ایس ایس جعفری کے دفتر میں لے جایا گیا۔ دفتر کے برآمدے میں سیٹھ ابّو نے شکور اے ایس آئی سے کہا "یہ لیڈر لوگ ہیں ذرا ان کی خاطر تواضع کرو"۔ شکور نے جواب دیا "سیٹھ فکر نہ کرو ایسی خاطر کروں گا کہ یہ یاد رکھیں گے"۔ ایس۔ ایس۔ جعفری کے کمرے میں سپاہیوں کی مدد سے شکور اے۔ ایس۔ آئی نے میرے کپڑے اتروائے میں نے مزاحمت کی تو کپڑے پھٹ گئے۔ برہنہ کرنے کے بعد مجھے فرش پر گرا لیا گیا۔ ایک سپاہی میری گردن پر، دوسرا بازوؤں پر، تیسرا کمر پر اور دو میری ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے۔ شکور نے جو شراب کے نشے میں چور تھا اور جس کے منہ سے شراب کے بھبکے نکل رہے تھے۔ اس نے بیچ پتر سنبھالا اور "آجا مورے بالما" کہہ کر میرے کولھوں پر مارنا شروع کر دیا۔ میں تیسری ضرب میں بے ہوش ہو گیا۔"

اقبال خاں نے بتایا کہ جسم پر سپاہیوں کے کھڑے ہونے سے خون کی گردش رک جاتی ہے اور اس پر جب بیچ پتر مارا جاتا ہے تو خون ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے۔ اور اگر زیادہ مارا جائے تو گوشت پھٹ جاتا ہے۔ اقبال خاں کو جب ہوش آیا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا نچلا دھڑ بالکل مفلوج ہو چکا ہے۔ درد کی ٹیسیں پورے بدن میں اٹھ رہی تھی۔ اس نے پانی مانگا ایک سپاہی بالٹی میں پانی لایا۔ پانی میں مٹی پڑی ہوئی تھی۔ شکور نے کہا۔ "گلاس نہیں ملے گا۔ بالٹی میں منہ ڈال کے پیو۔" چنانچہ اقبال نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ پانی پی رہا تھا تو شکور "گدھا گدھا" کہہ کر مذاق اڑا رہا تھا۔

رات کو تین بجے اقبال اور خواجہ نجیب کو کالا بورڈ تھانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ اقبال درد و کرب کی وجہ سے رات بھر نہ سو سکا۔ ۲۷ مارچ کو شام چار بجے انھیں کراچی سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ جیل کے حکام کو سیٹھ داؤد کا ٹیلی فون پہلے ہی مل چکا تھا چنانچہ جیل کے حکام نے "ماری" میں ہی اقبال اور خواجہ نجیب کو سخت زدوکوب کیا۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ اقبال اور شاہ جہاں کو دوسرے دن کام پر لگا دیا۔ رسی، ڈول اور جھاڑو دے کر انھیں پاخانے کا گندہ پانی جیل کے باغیچے میں ڈالنے کو کہا گیا۔ حالانکہ ان لوگوں کو ابھی سزا نہیں ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ ابھی مقدمہ بھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اور قانون کی رو سے ملزموں سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ لیکن سیٹھ داؤد کی ہدایات کے مطابق ان سے جبری بیگار لی گئی۔ دوسرے دن انھیں جیل کی زیر تعمیر فیکٹری میں پتھر اٹھانے پر مامور کیا گیا۔ غرض کہ داؤد ملز کے مزدوروں سے جیل کے حکام نے جبری بیگار لے کر داؤد سیٹھ کی خوشنودی حاصل کی۔

اقبال خاں اور شاہ جہاں کو پولیس نے اس وقت تک عدالت میں پیش نہیں کیا گیا جب تک کہ وہ تندرست نہیں ہو گئے۔ شاہ جہاں کے ساتھ عجیب سی ستم ظریفی ہوئی۔ پولیس کو شاہ

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں

فینسی کے وارے نیارے جاری ہیں

اس نے اپنا معقول انتظام کر لیا ہے

الفتح رپورٹ

۲۲ خاندان پاکستانی عوام پر آسیب کی طرح مسلط ہیں گذشتہ ۲۴ برسوں میں ہر طریقے سے عوام کا استحصال کیا گیا خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا گیا، لوٹ کھسوٹ کے لئے طرح طرح کے حربے ایجاد کئے گئے. کراچی گیس کمپنی پر فینسی خاندان کی اجارہ داری ہے، ایک جاگیر ہے، جہاں فینسی وڈیرہ شاہی کا راج ہے اس کے احکامات "سکۂ رائج الوقت" ہیں.

کراچی گیس کمپنی سے ہر ماہ صارفین کے میٹروں کی ریڈنگ لینی تھی. ہر ماہ بل بنائے جاتے تھے. صارفین ہر ماہ بل کی ادائیگی کر دیا کرتے تھے. ایک درمیانہ درجہ کے خاندان کا بل عموماً پندرہ روپے کے لگ بھگ ہوتا تھا وہ اپنی محدود آمدنی میں سے بآسانی پندرہ روپے ادا کر کے بوجھ ہلکا کر لیا کرتے تھے. لیکن یکایک ایک حکم صادر ہوا کہ صارفین کے میٹروں کی ریڈنگ دو ماہ بعد لی جائے ایک ماہ کا بل "اندازاً" بھیج دیا جائے، اب حالت یہ ہے کہ جو بل "اندازاً" بھیجا جاتا ہے، وہ اصل بل سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، دو ماہ کے بعد میٹر ریڈنگ لی جاتی ہے اور اندازاً بل کی زائد وصول شدہ رقم اس سے کم کر دی جاتی ہے. بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو ماہ کا بل بھی اتنی رقم کا نہیں ہوتا جتنی وہ تخمینہ بل کے ذریعے وصول کر لیتی ہے. نتیجتہً زائد وصول شدہ رقم اگلے بلوں میں ایڈوانس ادائیگی کے طور پر درج کر دی جاتی ہے.

اس طریقۂ کار کی وجہ سے فینسی کے وارے نیارے ہو گئے ہیں، بلوں کی ادائیگی پیشگی ہو جاتی ہے. سرچارج اور منیمم چارجز بھی صارفین کو زیادہ دینا پڑتے ہیں. طریقۂ کار میں تبدیلی اس لئے بھی کی گئی کہ میٹر ریڈنگ کے لئے زیادہ اسٹاف نہ رکھنا پڑا. صارفین کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے. لیکن اسٹاف میں اضافہ نہیں کیا جا رہا ہے.

کراچی گیس کمپنی کے برعکس کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن جو پہلے دو ماہ کا اکٹھا بل بھیجا کرتی تھی. عملہ میں اضافہ کرنے کے بعد ہر ماہ بل بھیجنے لگی ہے. حالانکہ الیکٹرک کے صارفین کی تعداد گیس کے صارفین سے ہزاروں گنا زیادہ ہے.

فینسی خاندان کو اپنے ملازمین کی صحت اور تحفظ کا ذرہ بھر خیال نہیں. چارٹ ریڈنگ کرنے والوں کو آٹھ آٹھ گھنٹے اسکوٹر پر دورہ کرنا پڑتا ہے اسکوٹر سوار کے لئے کنٹوپ اور عینک لازم و ملزوم ہیں. لیکن یہ اشیاء کمپنی کی جانب سے آج تک مہیا نہیں کی گئیں، حالانکہ اس سلسلے میں متعدد بار انتظامیہ سے رجوع کیا گیا. لیکن ہر بار ٹال دیا گیا.

ہنزہ سے چاٹگام تک

ڈیرہ غازی خان

میں حکومت کے

قانون نہیں چلتے

رئیس عدیم

ضلع ڈیرہ غازی خان پنجاب کا دور افتادہ اور پسماندہ ضلع ہے. گھریلو صنعت کے علاوہ لوگوں کی ذرائع آمدنی زراعت سے منسلک ہے

ضلع ڈیرہ غازی خان کی پسماندگی عہد غلامی کی یاد تازہ کرتی ہے، زراعت اور ضلع کی معدنیات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی. گذشتہ برس ڈیرہ غازی خان کے صحافیوں نے جب علاقہ راکھی منہ کی پہاڑیوں میں دریافت شدہ خام لوہے کے ذخائر کا معلوماتی دورہ کیا تو معلوم ہوا کہ عظیم ذخائر کی چار فٹ دبازت تیرہ چودہ میل میں پھیلی ہوئی ہے اور اکثر مقامات پر یہ چھ فٹ دبیز ہے اور اپنی خوبیوں کے باعث نہ صرف کالا باغ بلکہ چترال، چاغی اور پاکستان کے دوسرے مقامات کے تمام ذخائر سے بہتر بلکہ اسے جرمنی، فرانس اور برطانیہ وغیرہ کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے.

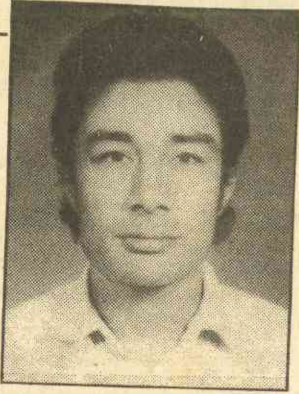
کیمیاوی تجزیہ کرتے سے معلوم ہوا کہ اس میں ۴۲½ فیصد لوہا ہے. جبکہ کالا باغ کے لوہے کی اوسط ۳۲½ فیصد ہے اس کے باوجود یہاں اسٹیل مل بھی قائم نہیں ہو سکی، جبکہ جپسم کور وغیرہ کی بنیاد پر کھاد فیکٹری کا قیام عمل میں لایا جا سکتا تھا. گنا اور کپاس کی پیداوار پنجاب کے کسی ضلع سے کم نہیں، برا ہو ان جاگیرداروں کا جنہوں نے اس ضلع کے نام پر حاصل کردہ مل لائسنس صنعتی علاقہ کے سرمایہ داروں کے ہاتھوں فروخت کر دیئے اور شوگر مل اور ٹیکسٹائل مل آج تک قائم نہیں ہو سکی غنیمت ہے کہ یہاں کاٹن فیکٹریاں قائم ہو چکی ہیں اور ہر سال تقریباً اسی ہزار روئی کی گانٹھیں تیار ہوتی ہیں.

اس سال کپاس کی پیداوار گذشتہ برسوں سے بہت بہتر ہے لیکن چھوٹے کسان اور کپاس کے بیوپاری کاٹن فیکٹریوں کے مالکان کے ہاتھوں بے حد پریشان ہیں کارخانہ داروں نے اپنی یونین کی تشکیل کے فوراً بعد بیوپاریوں کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے. کارخانہ داروں کی ملی بھگت کے سبب کپاس کے نرخ دس روپے اور پندرہ روپے فی من تک کم کر دیئے گئے، کارخانہ دار ہنگامی حالات کا جواز پیدا کر کے بیوپاریوں کا مال اٹھانے سے انکار کر دیتے ہیں جب دور دراز کا سفر طے کر کے کپاس کارخانہ پہنچائی جاتی ہے تو کارخانہ دار صاف کہہ دیتا ہے کہ ہنگامی حالات کے پیش نظر ٹیکسٹائل مل کے مالکان

روئی کی رقم ادا نہیں کر رہے اس لئے ہم کپاس خریدتے سے معذرت چاہتے ہیں۔ ہنگامی حالات کا ہوّا دکھا کر کارخانہ دار کپاس کے بہت کم نرخ لگا رہے ہیں۔ یعنی کپاس کا بھاؤ ۵۵ اور ۶۰ سے گر کر ۲۵ تک آپہنچا ہے۔ کارخانہ دار دھڑا دھڑ روئی کی گانٹھیں تیار کر کے سپلائی کر رہے ہیں، لیکن سرمائے کو تھیلیوں میں بند کئے بیٹھے ہیں۔

اس سال سے پیشتر کارخانہ دار بیوپاریوں سے جیننگ پریس، ٹاٹ اور پتی وغیرہ کے اٹھارہ روپے وصول کرتے تھے لیکن اب اٹھائیس یا حسب منشا تھوڑا کم یا زیادہ وصول کر رہے ہیں۔ ایک اور اصول وضع کر دیا گیا ہے۔ جس کے مطابق ہر بیوپاری سے روئی پر دو آنے فی من کٹوتی کی جاتی ہے کٹوتی اخراجات، کم تول سے اس سال کارخانہ دار ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں، مزدوروں کو بہت کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مزدور احتجاج کرتا ہے تو کھڑے کھڑے نکال دیا جاتا ہے۔ مردوں کے علاوہ کاٹن فیکٹریوں میں ایک شفٹ محنت کش عورتوں کی ہوتی ہے اور مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو بہت قلیل یعنی صرف ڈیڑھ دو روپیہ معاوضہ دیا جاتا ہے، ایک ایک فیکٹری میں چھ چھ سو مزدور ہونے کے باوجود کارخانہ داروں کی لوکرشاہی سے ملی بھگت کی وجہ سے لیبر لاء لاگو ہی نہیں ہوتا۔

یہ کاٹن فیکٹریاں صرف چھ ماہ چلتی ہیں۔ جن میں دیہات کے کھیت مزدور بے کاری کے سبب بہت کم معاوضہ پر مزدوری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور چھ ماہ کے بعد در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کپاس، گنا اور بنولہ خام مال کے پیش نظر شوگر مل، ٹیکسٹائل مل اور گھی مل کا قیام ضروری ہے تاکہ ضلع کے لاکھوں افراد کو روزگار فراہم ہو سکے اور روزگار کی تلاش میں صنعتی علاقوں کا رُخ کرنے کی بجائے اپنے ضلع میں رہ کر کچھ سُکھ چین کی زندگی بسر کر سکیں۔



ہم بھٹو کے ساتھ ہیں

سیّد امیر حسین شاہ

پاکستان پیپلز پارٹی کراچی کے رہنما سید امیر حسین شاہ اور بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے نائب صدر فیض بلوچ نے اپنے مشترکہ اخباری بیان میں کراچی میں ہونے والے حالیہ ہنگاموں کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہنگامے رجعت پسند اور شکست خوردہ سیاسی جماعتوں کے اشارے پر کئے گئے۔ تاکہ موجودہ عوامی نمائندہ جماعت کی دشواریوں میں مزید اضافہ کیا جائے یہ ہنگامے عوامی حکومت اور عوام کے خلاف ایک منظم سازش کی ایک کڑی ہیں انہوں نے سازشی عناصر کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ وہ عوام دشمن سازشوں سے باز آجائیں ورنہ انہیں عوامی غیض و غضب کا سامنا کرنا پڑے گا پاکستان کے مزدور، کسان، طلباء اور محنت کش عوام کسی سامراجی اور عوام دشمن سازش کو برداشت نہیں کریں گے۔

سید امیر حسین شاہ اور فیض بلوچ نے اپنے بیان میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے انہیں عوام طاقتوں کے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی ہے کہ پاکستان کے عوام اپنی انقلابی جدوجہد کو آخری فتح تک جاری رکھیں گے۔

روزنامہ جنگ راولپنڈی کے برطرف شدہ ملازمین

پاکستان کے نئے صدر کو مبارکباد دیتے ہیں

- مبارک باد دیتے ہیں وہ پریس ورکرز جنہیں میر خلیل الرحمٰن مینیجنگ ڈائریکٹر روزنامہ جنگ پنڈی و کراچی نے محض یونین سازی کے جرم میں برطرف کر دیا اور کہا۔
"جاؤ بھٹو سے نوکری مانگو۔"
- مبارک باد دیتے ہیں وہ پریس ورکر جن کے ہاتھ جنگ کی مشینیں چلاتے ہوئے کٹ گئے اور ان کا علاج کروانے کی بجائے انہیں ملازمتوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور آج بھی وہ در بدر کی ٹھوکر کھا رہے ہیں، وہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے آپ کی کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں۔
- مبارک باد دیتے ہیں وہ کارکن صحافی جنہیں سوشلسٹ ہونے اور پریس کے دوسرے کارکنوں کے حقوق کی جدوجہد کی حمایت کرنے کے جرم میں ۱۵ اپریل ۷۰ء کو پی ایف یو جے کی ملک گیر ہڑتال کے بعد ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا۔ ان کے خلاف جھوٹے مقدمات درج کئے گئے اور انہیں طرح طرح سے پریشان کیا گیا۔
- روزنامہ "جنگ" راولپنڈی کے برطرف شدہ، ملازمین کے کانوں میں آج بھی جناب صدر مملکت کا وہ نعرہ گونج رہا ہے جو "جنگ" راولپنڈی کے کیمپ میں بلند ہوا تھا "روزنامہ جنگ سے ہماری جنگ ہے"۔ "بھٹو"

منجانب:۔ عبدالستار رمزی؛
سابق خزانچی جنگ ایمپلائز ایسوسی ایشن راولپنڈی۔

بقیہ: ظلم و تشدد کی کہانیاں

جہاں خاں ولد محمد خاں نامی ایک مزدور مطلوب تھا۔ وہ ہاتھ نہ آیا تو اس نے شاہ جہاں خان ولد محمد جان کو گرفتار کر لیا۔ اس نے بہت احتجاج کیا۔ لیکن بے سود۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ "ولدیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" لیکن پولیس نے عدالت میں مقدمہ پیش کرتے وقت ولدیت میں تبدیلی کر دی۔ اور اس طرح ایک بے گناہ کو سزا دلوا دی۔

ہفت روزہ الفتح اپنے قارئین کو پاکستان کے سلسلے میں بین الاقوامی دُنیا میں ہونے والی سازشوں سے باخبر کرنے کے لئے یہ سلسلہ شروع کر رہا ہے۔ شجاع بخاری ایک کہنہ مشق اور باخبر صحافی ہیں۔ وہ اپنے خصوصی ذرائع، یادداشتوں اور باقاعدہ حوالوں سے ان سازشوں کا پردہ چاک کریں گے (ادارہ)

اسٹیل ملز کارپوریشن کے مذاکرات کی ناکامی سے ماسکو چراغ پا ہو گیا

شجاع بخاری کے قلم سے

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد سے امریکہ پاکستان دوستی کا کھلم کھلا دم بھر رہا ہے، جبکہ ابلاغ عامہ کے عالمی ذرائع بتاتے ہیں کہ امریکہ برصغیر کے سیاسی مسائل پر روس کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔ آج امریکی حکومت کا دعویٰ ہے کہ ۱۶ دسمبر کو بھارتی فوجوں کے ڈھاکہ پر قبضے کے وقت اس نے بھارتی حکومت پر دباؤ ڈالا تھا کہ بھارت مغربی پاکستان کے محاذوں پر بھی جنگ بندی منظور کرے لیکن بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اس امریکی دعویٰ کی تردید کر چکی ہیں۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ ڈھاکہ میں بھارتی فوجوں کے داخل ہونے کے بعد جب انہوں نے پارلیمنٹ سے خطاب کیا تھا تو، ۱۶ دسمبر کو ساڑھے آٹھ بجے شام سے مغربی پاکستان کے محاذوں پر بھی جنگ بندی کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا. اور اس فیصلے میں کوئی امریکی حکمت عملی شامل نہیں تھی۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھارت نے مغربی پاکستان کے محاذوں پر جنگ بندی امریکی حکام کے دباؤ کی وجہ سے تسلیم نہیں کی تو کیا روسی حکومت بھی اس بھارتی فیصلے سے لاعلم تھی؟ یقینی اَتّق ہے کہ ایسا ممکن نہیں تھا۔ روس اور بھارت کے درمیان جو دفاعی معاہدہ موجود تھا اس کے تحت بھارتی حکومت نے ضرور روسی حکومت کو اپنے فیصلے سے باخبر کیا ہو گا. لہٰذا جنگ بندی کے مسئلے پر بھارت اور روس کے درمیان ضرور خصوصی رابطہ قائم ہو گا.

اس استدلال کی روشنی میں گمان غالب یہی ہے کہ امریکی حکومت کا روس کے ارباب اقتدار سے سقوطِ ڈھاکہ سے قبل ہی معاملہ طے ہو چکا تھا لہٰذا اب امریکی استدلال سمجھ میں آسکتا ہے کہ بھارت پر مغربی پاکستان میں جنگ بندی کے لئے امریکہ نے روس کے ذریعے ضرور دباؤ ڈالا ہو گا۔ اور روسی حکومت نے بھارتی ارباب اقتدار سے مغربی محاذ پر جنگ بندی کا فیصلہ تسلیم کرایا ہو گا۔ اس طرح امریکہ نے براہ راست بھارت کو جنگ بندی کے لئے دباؤ نہیں ڈالا، عالمی سیاست کی نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے روس نے امریکہ کی طرف سے دباؤ ڈال کر بھارت کو مغربی محاذ پر بھی جنگ بندی کی رائے دی، اب چونکہ امریکہ براہ راست بھارت سے رابطہ نہیں رکھتا تھا اس لئے بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی تردید تسلیم لیکن امریکی حکام نے یہ بات کہہ کر صورت حال واضح کر دی ہے کہ امریکہ نے مغربی محاذ پر جنگ بندی کے لئے بھارت پر دباؤ ڈالا تھا حالانکہ امریکی حکام کو واضح طور پر یوں کہنا چاہیئے تھا۔ کہ امریکہ نے روس کے ذریعے بھارت پر دباؤ ڈالا تھا کہ مغربی محاذ پر جنگ بند کی جائے.

بہرحال مغربی پاکستان کے محاذ پر جنگ بندی ہو گئی لیکن فوجیں ابھی تک سرحدوں پر لگی ہوئی ہیں اور ہم امریکہ اور روس کی سیاسی حکمت عملیوں کا شکار ہیں۔ مشرقی پاکستان جو ۲ کروڑ مسلمانوں کے ملک پاکستان کا ایک فعال بازو تھا۔ بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کی نذر ہو گیا ہے یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ وطن عزیز کے عوام اس عظیم صدمہ کو آسانی سے نہیں بھول سکتے بھول بھی لیں تو کیونکر بھول لیں، مشرقی پاکستان کی سات ساڑھے سات کروڑ آبادی بھارتی چنگل میں جا چکی ہے. پاک افواج کے ترانوے ہزار جیالے سپاہی دشمن کی قید میں ہیں، مغربی پاکستان کے ہزاروں خاندان سوگوار ہیں، لیکن عالمی برادری خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے. روس بھارت سے اپنے سیاسی مفادات طے کرانے کی فکر میں ہے امریکہ بحر الہند اور خلیج بنگال میں اپنا سیاسی اثر جمانے کے لئے تگ و دو کر رہا ہے، چین کھلم کھلا پاکستان کے حق میں بھارت کو جارح کہہ رہا ہے. لیکن امریکہ اور روس حقیقت سے ہٹ کر اپنے اپنے سیاسی مفادات کے چکر میں اُلجھے ہوئے ہیں اور در پردہ اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے رابطہ بھی رکھتے ہیں.

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرقی پاکستان سے امریکہ اور روس کے کون سے مفادات وابستہ ہیں، مسئلہ صاف اور واضح ہے۔ روس بھارت کے دو جزیروں انڈیمان اور نکوبار میں اپنے بحری اڈوں کے لئے جگہ حاصل کرنا چاہتا ہے: تاکہ بحر الہند سے خلیج بنگال تک سمندری راستوں پر اس کی برتری تسلیم کر لی جائے گمان غالب ہے کہ روس ان جزیروں میں جلد ہی بھارتی رضامندی سے فوجی اڈے قائم بھی کر لے گا. اِدھر امریکہ بھارت کی طرف اندرونی طور پر اسی غرض سے جھک رہا ہے کہ خلیج بنگال کا راستہ اس کے لئے بھی کھلا رہ سکے اور خلیج بنگال میں چٹاگانگ کی بندرگاہ پر اس کا اثر قائم ہو سکے روس نے بھارت سے جو دوستی کی پینگیں بڑھائی ہیں اور بنگلہ دیش کے قیام کے لئے اس کی جو فوجی امداد کی ہے اس کے پس منظر میں روس کا ایما یہی ہے کہ بنگلہ دیش کی آزاد حکومت بھارت کی نگرانی میں قائم ہو جائے تاکہ خلیج بنگال میں چٹاگانگ تک اس کا سیاسی اثر بھی قائم رہے امریکی زعماء روس کی اس پالیسی کو ہر ممکن طور پر ناکام بنا کر خلیج بنگال پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں امریکی حکام چاہتے ہیں کہ بنگلہ دیش کی حکومت ان کی سیاسی پناہ میں آجائے۔ روس کے زیر اثر نہ رہے بنگلہ دیش کے علاقے پر اگر اس کے زیر اثر حکومت قائم ہو جائے تو اس صورت میں خلیج بنگال میں چٹاگانگ تک امریکی فوجی اڈوں کے قیام کا حتمی امکان ہو سکتا ہے.

القصہ روس اور امریکہ بحر الہند اور خلیج بنگال پر اپنا سیاسی تسلط جمانے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں، مشرقی پاکستان میں جو اتنا بڑا سیاسی المیہ گزرا ہے جس میں لاکھوں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اس سیاسی المیے کے اندرونی سیاسی مضمرات کو چھوڑ کر بین الاقوامی سیاسی مضمرات میں روس اور امریکہ کے درمیان سیاسی حلقۂ اثر کے طے کرنے کا معاملہ بھی شامل ہے بلکہ اس مسئلہ کی وضاحت یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ ان ہی بڑی طاقتوں نے مشرقی پاکستان کے اندرونی سیاسی حالات کی بحرانی کیفیات سے فائدہ اٹھا کر حالات کو اس نوبت تک

رباط کی اسلامی کانفرنس میں یحییٰ کچھ زیادہ پی کر شریک ہوئے

پہنچ پایا ہے۔ اب حالات وواقعات ایک ایسی نہج پر آگئے ہیں کہ روس اور امریکہ دونوں کے لئے مصیبت کا باعث بن گئے ہیں

روس اور امریکہ مشرقی پاکستان کے خطے میں عرصہ دراز سے نظر رکھے ہوئے تھے امریکہ پاکستان دوستی کے ضمن میں اپنے سیاسی مفادات پورے کرانے کا متمنی تھا۔ اُدھر روس نے بھی ۱۹۶۵ء سے پاکستان دوستی کا راگ الاپ کر اپنے سیاسی عزائم کو واشگاف کرنا شروع کر دیا تھا لیکن شاید دونوں طاقتیں کوئی لائحہ عمل طے نہ کر پائیں تھیں۔ کہ پاکستان میں سیاسی فضا افراتفری کا شکار ہوئی یعنی ایوب خان کی حکومت ڈگمگانے لگی، ان کی بعض غلط سیاسی پالیسیوں کی وجہ سے بہت پہلے ہی مشرقی پاکستان کے عوام میں یہ احساس بڑھ گیا تھا۔ کہ مغربی پاکستان والے مشرقی پاکستان کے عوام کا استحصال کرتے ہیں جب ایوب حکومت ڈگمگائی تو مشرقی پاکستان میں بیرونی طاقتوں کی خفیہ سازشیں جاری ہو گئیں تاوقتیکہ ۱۹۶۹ء میں ایوب حکومت ختم ہوئی اور جنرل یحییٰ نے پاکستان کا اقتدار سنبھالا تو سب سے پہلے روس نے یہ کوشش کی کہ وہ صدر یحییٰ کے ذریعے پاکستان سے دوستانہ تعلقات بڑھائیں، شاید یہی وجہ تھی کہ ان کے حکومت سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد روسی وزیر اعظم کوسی گن پاکستان کے دورے پر آئے اور اکتوبر ۱۹۶۹ء میں سابق صدر یحییٰ کو دورۂ ماسکو کی دعوت بھی دے گئے صدر یحییٰ ماسکو جانے کا پروگرام ابھی طے نہ کر پائے تھے کہ رباط میں اسلامی کانفرنس کے انعقاد کے دن قریب آگئے اور وہ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء سے شروع ہونے والی اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ ہو گئے اب رباط کانفرنس کا ذکر آیا ہے تو ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو اس کانفرنس میں بھارتی وفد کی شرکت کے ضمن میں بہت عام ہوا تھا۔ اور ذمہ دار افراد کے توسط سے ہم تک پہنچا تھا۔ رباط کانفرنس میں بھارتی وفد بھی شریک ہونا چاہتا تھا۔ بھارتی حکومت کا استدلال تھا کہ ان کے ملک میں بھی آٹھ کروڑ مسلمان بستے ہیں۔ اس لئے بھارتی وفد کو بھی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی جائے اس مسئلے پر بھارت کی طرف سے نمائندگی کے لئے مراکش میں تعینات بھارتی سفیر مسٹر گربچن سنگھ ایک وفد لے کر پہنچ گئے تھے۔ اور پہلے دن یہ وفد کانفرنس ہال میں بھی جا پہنچا تھا۔ لیکن بعد کے اجلاس میں بھارتی وفد کی شرکت پر سابق صدر یحییٰ خان نے زبردست احتجاج کیا تھا۔ بہرحال قارئین کرام رباط کانفرنس کی کارروائیوں سے بخوبی شناسا ہوں گے، مجھے صرف وہ واقعہ بیان کرنا ہے جو معتبر حضرات سے سنا تھا واقعہ یہ ہے کہ ایک اجلاس میں جب بھارتی وفد آیا تو صدر یحییٰ بھی موجود تھے اس اجلاس میں انہوں نے بھارتی وفد کی شرکت کو ملکی وقار اور قومی پالیسیوں کے خلاف اقدام سمجھ کر کوئی احتجاج نہ کیا۔ لیکن دوسرے اجلاس میں انہوں نے زبردست احتجاج کیا، یہاں تک کہ واک آؤٹ کرنے کی سعی بھی کی، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے اجلاس میں شرکت کے لئے جب صدر یحییٰ جانے والے تھے تو کچھ ذمہ دار افراد نے ان سے درخواست کی تھی کہ "خاص شغل" کر کے نہ جائیے کیونکہ آپ ایک بڑی اسلامی ریاست کے سربراہ ہیں، پہلے تو انہوں نے بہت اصرار کیا کہ وہ "خاص شغل" کے بعد ہی جائیں گے لیکن دوسروں کے اصرار کے آگے مان گئے اجلاس میں بھارتی وفد کی شمولیت کا مسئلہ اُٹھا تو اس کے خلاف کوئی خاص اقدام صدر یحییٰ نے نہ کیا اور بھارتی وفد کی موجودگی برداشت بھی کی۔ شاید وہ بھارتی وفد کی شمولیت کا مقصد بخوبی نہ سمجھ پائے تھے لیکن دوسرے اجلاس میں جانے سے قبل وہ اپنے "خاص شغل" میں زیادہ پی گئے اور جیسے ہی کانفرنس ہال میں پہنچے تو گربچن سنگھ کے وفد کے خلاف جراغ پا ہو گئے یہاں تک کہ پوری کانفرنس کے شرکاء میں تہلکہ مچ گیا۔ بہرحال بھارتی وفد کی رباط کانفرنس میں شرکت اور پاکستانی موقف کا حال تو قارئین کرام آپ جانتے ہی ہوں گے یہ واقعہ بھی سنا تھا جو صدر یحییٰ کے ملفوظات کے ضمن میں آگیا اس کو جملہ معترضہ سمجھیے۔

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا۔ کہ راولپنڈی پہنچ کر روسی وزیر اعظم مسٹر کوسی گن نے صدر یحییٰ کو ماسکو کے دورے کی دعوت دی تھی کہ رباط میں اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس کے دن آ گئے اور صدر یحییٰ مراکش روانہ ہو گئے۔ کوسی گن کے راولپنڈی آنے کا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ افغانستان سے بھی دوستی مستحکم کر چکے تھے اور افغان فضائی طاقت کو بڑھانے کے لئے ڈھیروں روسی امداد فراہم کی جا چکی تھی۔ اُدھر افغانستان ایران سے قریب آکر بندر عباس کی بندرگاہ کو ایک جدید بندرگاہ بنانے کے منصوبے مکمل کرا چکا تھا۔ بندر عباس کی بندرگاہ کی ترقی افغانستان کی ترقی کے لئے ضروری سمجھی گئی تھی اور بندر عباس سے کابل افغانستان تک شاہراہ کی تعمیر کے خرچے کی ذمہ داری بھارتی حکومت نے برداشت کرنا منظور کر لیا تھا یہ سب کچھ ظاہر ہے اس لئے ہو رہا تھا کہ افغانستان کو اقتصادی ترقی میں مدد دی جائے اور اس اقتصادی ترقی کے منصوبے کا محرک روس کی حکومت تھی۔

بہرحال کوسی گن راولپنڈی پہنچے، ان دنوں روسی وزیر اعظم کے پاس پاکستان، بھارت، ایران اور افغانستان کے درمیان سیاسی اور اقتصادی تعاون کا ایک فارمولا موجود تھا جس کو کابل پلان کا نام دیا جاتا تھا۔ ان دنوں اکثر سیاسی حلقوں میں یہ سنا جاتا تھا کہ شاید صدر یحییٰ رباط کانفرنس کے دنوں میں شاہ ایران سے اس مسئلے پر بات کریں، یہی وہ زمانہ تھا کہ جب پاکستان میں افغانستان سے کنفیڈریشن قسم کا معاہدہ کرنے کی تجاویز بھی پیش کی جا رہی تھیں۔ بلکہ ایک وقت تو ایسا بھی آیا تھا۔ کہ خان عبدالقیوم خان اور سردار بہادر خان نے اس ضمن میں واضح طور پر سیاسی موقف بھی بیان کر دیا تھا۔ ان دونوں حضرات کے بیانات آج بھی ملک کے اخبارات کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں، خیر تو ذکر یہ تھا کہ کوسی گن پاکستان، بھارت، ایران اور افغانستان کے درمیان سیاسی اور اقتصادی اتحاد کی تجاویز چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔ اور صدر یحییٰ کو ماسکو جانا تھا یہ دورہ ضرور ہوا لیکن کچھ وقفے کے بعد جن دنوں صدر یحییٰ روس کے دورے پر گئے۔ ان دنوں ملکی سیاسی صورت حال کیا تھی وقت کے تقاضے کیا تھے۔ یہ تفصیلات پھر آئیں گی جو بیان کی جاتی بہت ضروری ہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ان دنوں میں ملک میں اکثر باخبر صحافیوں اور کچھ سیاسی حلقوں میں یہ تاثر بہت عام تھا کہ صدر یحییٰ ذہنی طور پر روس کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ کچھ غیر ملکی اخبارات بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے خصوصاً میرے دوست محمود شام کو بھی یہی گمان غالب تھا کہ صدر یحییٰ روسی بلاک سے روابط بڑھانے کے رجحانات رکھتے ہیں، لیکن ہماری سمجھ میں یہ راز نہ آتا تھا اور نہ آج تک آیا ہے، بہرحال صدر یحییٰ روس گئے، کچھ عرصہ بعد انہوں نے روس کی فنی امداد کے ذریعے کراچی میں اسٹیل ملز لگانے کا پروگرام بنایا۔ اس پروگرام کے تحت ۱۹۶۹ء میں پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن کا قیام بھی عمل میں آیا جس کے لئے کوئلہ اور آئرن افغانستان سے لینا طے پایا تھا۔ جس کے مذاکرات بعد کو وقت کی نذر ہو گئے اور روسی ناراضگیاں، افغانستان سے اسٹیل مل کے مذاکرات ختم ہوئے تو افغان حکومت کو تشویش ہوئی۔ اُدھر روس اس بات پر ناراض تھا کہ پاکستان نے اسٹیل مل کے لئے آسٹریلیا وغیرہ ممالک سے رابطہ پیدا کر لیا ہے لہٰذا روس نے افغان حکومت پر دباؤ ڈالا کہ حکومت پاکستان سے وجہ جواز معلوم کرے کہ افغان حکومت سے جو مذاکرات اسٹیل مل کے بارے میں ہوتے تھے ختم کیوں ہو گئے ان حالات کے بارے

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں



قارئین کہتے ہیں

نئی حکومت توجہ دے - یہ مسئلہ سنگین ہے

معلوم ہوا ہے کہ ڈائریکٹریٹ آف انڈسٹریز میں درجہ سوم اور چہارم کے چند ملازمین کو SURPLUS قرار دیدیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ سوشل ویلیفر کے دفتر چلے جائیں، انہیں اس دفتر میں کھپا دیا جائے گا۔ جب یہ ملازمین مذکورہ دفتر میں پہنچے تو ان سے کہا گیا کہ "اس دفتر میں فی الوقت کوئی جگہ نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو ہنگامی حالات کی وجہ سے ان خالی جگہوں کو ابھی پُر نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض اہم سرکاری اور نیم سرکاری محکموں میں دفتری اخراجات کو کم کرنے کے لئے اس قسم کے اقدامات پر غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ یہ ہماری نوکر شاہی کا بہت پرانا ہتھکنڈہ ہے کہ جب کبھی ملک کو کسی سنگین بحران کا سامنا کرنا پڑا تو ملکی معیشت کو سنبھالا دینے کے لئے درجہ سوم اور چہارم کے غریب ملازمین کے گلے پر چھری چلا دیا گیا۔ اس طرح بیروزگاری کے مسئلے کو زیادہ سنگین بنانے کی روایت ۲۳ سال سے اس ملک میں بڑی باقاعدگی سے چلی آرہی ہے حالانکہ اس قسم کے اقدامات سے نہ تو قومی معیشت کو پائداری حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی سرکاری اور نیم سرکاری دفاتر کے غیر ضروری اخراجات میں کوئی کمی آتی ہے۔

اس ملک میں بیروزگاری پہلے ہی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ چھانٹی اور تالہ بندی کے سبب مزدوروں کی بڑی تعداد روزگار کی تلاش میں دربدر ماری پھر رہی ہے۔ پرائیویٹ کاروباری اداروں کے مالکان ہنگامی صورتحال کا بہانہ بنا کر قبل از وقت دفتری، چپراسی اور کلرکوں کی ایک بڑی تعداد کو علیحدہ کر چکے ہیں۔ اب نئی اور ترقی پسند حکومت کی اصلاحات کی آڑ میں نوکر شاہی چھوٹی تنخواہ والے غریب ملازمین کو بیروزگاری کے جہنم میں دھکیلنے کے مکروہ منصوبے پر عمل کرنا چاہتی ہے ایک بار پھر محنت کشوں کو ہی قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔ لیکن ہم واضح طور پر نشاندہی کرنا چاہیں گے کہ ہمیشہ کی طرح اس بار ہم قربانی کا بکرا نہیں بنیں گے۔ دفتری اخراجات میں کمی کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غریب ملازمین کو بے روزگار کر دیا جائے۔ دفتری اخراجات میں کمی کرنے کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ بڑی بڑی تنخواہ پانے والے موٹے، مضمحل اور بے مصرف افسران کی طرف توجہ دی جائے جو ہر ماہ، چائے اور کافی پر تین چپراسیوں کی تنخواہ کے برابر روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ اگر پیپلز پارٹی اس جانب توجہ نہیں دیتی اور نوکر شاہی کو من مانی کارروائیوں کی چھوٹ مل گئی تو پھر اس ملک کا خدا حافظ

(فرحت عزیز لودھی - فیڈرل بی ایریا کراچی)

نوکر شاہی کی گردن اب بھی نہیں جھکی

نئی حکومت کی آمد کے بعد امید تھی کہ نوکر شاہی کے رویے میں کچھ تبدیلی آئے گی۔ عوام کی بات کی گئی تو محسوس ہوا کہ اب افسران اور بڑے عہدیدار غریبوں کی باتیں سنیں گے، اور ان کی جائز شکایت کا ازالہ کریں گے۔ مگر افسوس عوام کی یہ بندھی ہوئی آس ٹوٹتی نظر آرہی ہے۔ ہاری مزدور اور محنت کش عوام سوالیہ نگاہوں سے پوچھتے ہیں کہ ہماری بقا ممکن بھی ہے یا نہیں۔ افسران کو دیکھتے ہیں تو ان کی گردنیں پہلے کی طرح اکڑی ہوئی ہیں۔ اور اس نازک وقت میں بھی انہیں غریب عوام کا آقا ہونے کا شرف بدستور حاصل ہے۔ عوام سے وہ اسی طریقہ سے پیش آتے ہیں۔ جیسے آج سے پندرہ دن قبل پیش آتے تھے، حاجتمندوں سے رشوت لئے بغیر حاجت پوری نہیں کی جاتی۔ رشوت اور اقربا پروری کی لعنت اس ملک اور قوم کو تباہ کر گئی، اب بھی دفاتر، محکموں اور دیگر اعلیٰ و ادنیٰ اداروں میں اس کا بازار گرم ہے۔ اب آپ ہی بتائیں اس لٹے پھٹے ملک کا کیا حشر ہوگا۔ خدا کے واسطے آپ حکومت کو مشورہ دیں کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کرے سرکاری، نیم سرکاری محکموں کو ان راشی افسروں سے نجات دلوائے، جب تک ان کا خاتمہ نہ ہوگا، نئی قوم نہیں ابھرے گی۔

جب تک عوام کا استحصال ختم نہ ہوگا، ہم کوئی جنگ کبھی نہیں جیت سکتے، سرحدوں پر بھی مار کھائیں گے اور اندر بھی پٹیں گے عوام بہت برداشت کر چکے، اب ان میں ضبط کا یارا نہیں رہا۔ اس ملک سے پہلی فرصت میں رشوت ستانی، اقربا پروری دھونس اور دھاندلی لوٹ کھسوٹ کا پرانا سلسلہ ختم کیا جائے۔ اگر موجودہ حکومت پرانے استحصالی ڈھانچے کو برقرار رکھتے ہوئے کوئی اصلاحی پروگرام عملی جامہ پہنانا چاہتی ہے تو اس کی ناکامی کی ابھی سے پیش گوئی کی جاسکتی ہے۔ ہم انقلاب چاہتے ہیں، ایسا انقلاب کہ راشی کو رشوت لیتے وقت گولی مار دی جائے۔

ملک کا ایک معمولی شہری لانڈھی کالونی

بقیہ: سنو آواز آرہی ہے

لہو یہ بندۂ مزدور کا پسینہ، اس لہو اور پسینے کا حساب دیتے ہیں اب انہیں کیوں تامل ہے۔ یہ اب بھی تاویلات کا کھڑاگ کیوں رچا رہے ہیں۔ انہیں رضاکارانہ طور پر اپنی دولت کا حساب دینے سے کیوں گریز ہے، یہ اپنے ضمیر کی آخری خلش کو کیوں دبا رہے ہیں۔

سنو، اب بھی ضمیر کو جھنجھوڑنے کا وقت ہے، فکسڈ ڈیپازٹ اور سیونگ بنک کے سود سے بچو، کہیں یہ بھی تمہارے لئے باعث سوال نہ بن جائیں

بقیہ : بین الاقوامی سازشیں

ہیں راقم الحروف کو ایک نیم سرکاری ادارے کے اعلیٰ افسر نے بتایا تھا کہ وہ اپنے ادارے کی طرف سے جب گذشتہ برس افغانستان گئے تو افغان حکومت نے ان سے پوچھا کہ آپ کی حکومت نے ہم سے اسٹیل مل کے لئے معاملہ طے کیا تھا۔ مجوزہ اسٹیل مل کے اعلیٰ افسر معاملات طے کرتے آ رہے تھے۔ لیکن لیکا یک سب معاملہ ٹھپ ہو گیا۔ اور پاکستان وزارت خارجہ اور اسٹیل مل کے افسران ہمیں خط و کتابت کا کوئی معقول جواب بھی نہیں دیتے ادھر روس کو تشویش ہے وہ ہم سے برابر اس ضمن میں رابطہ پیدا کرتا ہے۔ لیکن نیم سرکاری ادارے کے اعلیٰ افسر کا چونکہ اس معاملے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے وہ دامن بچا گئے۔ لیکن یہ بات واضح ہو گئی کہ روس کی ناراضگی میں صدر یحییٰ کی روز بدلتی پالیسیوں کا بھی عمل دخل تھا۔ یہ ناراضگیاں اتنی بڑھیں کہ مشرقی پاکستان کے المیے کا باعث بن گئیں۔ (باقی آئندہ)

بقیہ : —— اداریہ

کے گذشتہ دو سالوں کے دوران اس کے کارکنوں نے کبھی پیپلز پارٹی سے اپنی خدمات کا معاوضہ طلب نہیں کیا اور نہ ہی خوشامدیوں اور کاسہ لیسوں کی فہرست میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ الفتح کی حمایت اصولوں کی بنیاد پر ہے اور رہے گی۔ اس کے کارکنوں کو نہ تو پہلے کسی جاہ و حشم کی ضرورت تھی اور نہ ہی آج ہے۔

آج ہمارا کام پہلے کی نسبت زیادہ کٹھن ہے۔ ہمیں عوام کے بہترین مفاد کے پیش نظر برسراقتدار دوستوں کا محاسبہ کرنا ہو گا۔ ہماری اس جرأت سے ممکن ہے کہ چند دوست ناراض ہوں لیکن عوامی عدالت ہمیں ہمارا فرض پورا کرنے اور جرأت و حوصلہ مندی سے ملک و قوم کی خدمت کرنے کی صدا دے رہی ہے۔ وقتی ناراضگیاں برداشت کی جا سکتی ہیں۔ عوام کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا یہی سب سے بڑے قابل اعتماد دوست ہیں۔

بقیہ :- ۲۲ خاندان

(۱۷) نشاط

پاکستان کے ۲۲ خاندان میں اس گروپ کا نمبر سترھواں ہے۔ جب کہ پنجاب کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں میں اسے نویں پوزیشن حاصل ہے۔ اس کے پاس نشاط ملز، نشاط انڈسٹریز، کیمیکلز انڈسٹریز آف پاکستان، ٹانگیل ٹکسٹائل، اور یونین انشورنس کمپنی ہے۔

(۱۸) گندھارا

اٹھارھویں نمبر پر گندھارا خم ٹھونک کر کھڑا ہے یہ سرحد کا ابھرتا ہوا سرمایہ دار طبقہ ہے۔ نوکرشاہی اور بعض سیاستدان اس کے پشت پناہ ہیں۔ اس کے مینجنگ ڈائریکٹر کیپٹن گوہر ایوب تھے۔ اب اس صنعت کی اہم شخصیت گوہر ایوب کے خسر لیفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ خان ہیں۔ اس گروپ کے پاس گندھارا انڈسٹریز، جاناں دی ملو کو ٹکسٹائل ملز، اور گلفار احبیب ہیں۔

(۱۹) اصفہانی

پاکستان کے بڑے تاجر گروپ میں اصفہانی انیسویں نمبر پر ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا نمبر آٹھواں تھا۔ ۱۹۶۰ء میں دسواں اور ۱۹۶۵ء میں ۱۷واں ہو گیا۔ اس گروپ کے کاروبار کا جال مشرقی پاکستان میں پھیلا ہوا ہے۔ اصفہانی مشرقی پاکستان سے تعلق نہیں رکھتے۔ تقسیم سے قبل یہ گروپ جوٹ کا کاروبار کرتا تھا۔ اور کچھ چائے کے باغات تھے۔ چٹاگانگ اور ڈھاکہ میں اصفہانی کی بڑی بڑی جائدادیں ہیں۔ کراچی اسٹاک ایکسچینج میں ان کی دو کمپنیوں کے نام درج ہیں۔

(۱) وکٹری جوٹ

(۲) چٹاگانگ جوٹ

سوشلسٹ ہونے کے دعویدار ہیں۔ خدا سوشلزم پر رحم کرے۔

(۲۰) ظفر الاحسن

بیسویں نمبر پر ظفر الاحسن گروپ ہے۔ ۱۹۶۵ء میں یہ گروپ ۱۷ویں سیڑھی پر تھا۔ اس کا سردار بہادر خان سے بڑا قریبی تعلق ہے۔ اس لئے اس کا شمار بھی گندھارا کی طرح سرحد کے سرمایہ دار طبقہ میں ہوتا ہے۔ اس کے پاس یہ کمپنیاں ہیں۔

(۱) خیبر انشورنس

(۲) خیبر ٹکسٹائل

(۳) انڈس کیمیکلز

(۴) مسترنگ ٹکسٹائل

آج کل انہوں نے قلم کے مزدوروں کے استحصال کے لئے ایک انگریزی روزنامہ بھی نکال لیا ہے۔ اس میں ظلم کرنے کے لئے ملوں کے پرسنل منیجروں کی طرح ایک پرسنل ایڈیٹر رکھا ہے۔ چھانٹی کا عام رواج ہے۔

(۲۱) فتح

فتح گروپ اکیسویں نمبر پر ہے۔ یہ زوال پذیر ہے ۱۹۶۵ء میں اس کی پوزیشن سولھویں تھی۔ ۱۹۶۰ء میں چودہ تھا اور ۱۹۵۵ء میں ساتواں۔ مگر اب یہ گروپ نیچے اترتے اترتے اکیسویں نمبر پر آ گیا۔

حسب ذیل کمپنیاں اس کے پاس ہیں۔

(۱) بھاولپور ٹکسٹائل ملز

(۲) فتح ٹکسٹائل ملز

(۲۲) دادا

دادا گروپ نے اجارہ دار سرمایہ داروں کی کاروباری ریس میں آخری نمبر یعنی ۲۲ ویں پوزیشن حاصل کی۔ اس گروپ کے کنٹرول میں ایز بسٹوس سیمنٹ ہے۔

بقیہ : صدر کی نشری تقریر اور عوام

- عوامی مسائل پر بے کھٹک اظہار خیال اور انہیں حل کرنے کا عزم۔
- میرا کوئی رشتہ دار نہیں، عوام میرے رشتہ دار ہیں۔
- ”فربہ اور بد نما جنرل افواج پاکستان کے وڈیرے تھے“۔
- باہر کے بنکوں میں جمع روپیہ پاکستانیوں کا لہو ہے، پاکستان میں اس لہو کی ضرورت ہے۔
- مزدوروں، محنت کشوں اور کسانوں کے مسائل حل کئے جائیں گے۔
- مشرقی پاکستان کو بھارتی تسلط سے آزاد کروایا جائے گا۔
- آپ میرا ساتھ دیں تو میں کوہ ہمالیہ سے زیادہ سربلند ہوں
- غریبوں اور طالب علموں کے مسائل حل کئے جائیں گے۔ نظام تعلیم میں اصلاحات کی جائیں گی۔
- بھاری فیسوں سے نجات ملے گی، نواحی بستیوں میں سرکاری اسکولوں کی تعداد میں اضافہ ہو گا۔
- نوکرشاہی سے نجات دلوائی جائے گی۔
- عام آدمی کی بے عزتی کی گئی اس لئے ملک کی بے عزتی ہوئی

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
30.DEC.71-6.JAN.1972



ہم

آپ کے اندھیرے دُور کرکے

روشنی

پھیلاتے ہیں

ھائی سنز کے بلب اور ٹیوب

روشنی کے سرچشمے

حئی سنز گروپ آف انڈسٹریز

عبدالحئی چیمبرز۔ ویسٹ وہارف، کراچی

فون: ۲۲۰۸۸۱ - ۲۲۰۴۶۵

OFFSET PRESS ... TABAD KARACHI

پاک فوج کو حقیر نذرانہ

پاکستان کی سرحدوں پر بھارت کی ناپاک نظریں جمی ہوتی ہیں۔ مانگے کا اسلحہ ڈھیروں جمع ہے لیکن شجاعت اور مردانگی نہ ادھار مانگی جا سکتی ہے اور نہ بطور امداد مل سکتی ہے مگر پھر بھی بھارت کے پٹے پٹاتے مہرے پاکستان کے جیالوں اور سرفروشوں کو مسلسل گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہیں۔

ہماری افواج سرحدوں کی جانب رواں دواں ہیں۔ اللہ اکبر کے نعرے اور نعرۂ حیدری کی گونج ان کے بلند عزائم کو صیقل کر رہی ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم "جن کی حفاظت موت کرتی ہے"۔ انہیں امام ضامن باندھیں یا نہیں۔ اس لئے کہ جہاد پر جانے والے غازی بن کر لوٹتے ہیں یا شہید کی زندگی پا لیتے ہیں۔

خراجِ عقیدت

ہم سوچ رہے ہیں کہ :

انہیں کیا خراجِ عقیدت پیش کریں کہ وہ اس سے بے نیاز ہیں۔ مگر ان ماؤں کو سلام جن کے جگر گوشے اسلام اور پاکستان کے لئے صف بستہ ہوتے۔ ان بیویوں کو سلام جن کا سہاگ کفن بردوش ہے۔ ہم بھی کتنے کم مایہ ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن پھر ایک حقیر سا نذرانہ ان کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اور یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ

بوستانِ رضا

میں جن فوجیوں نے پلاٹ بک کرائے ہیں جہاد سے لوٹنے کے بعد اُن سے پلاٹوں کی مزید

کوئی قیمت نہیں لی جائے گی

اور اگر شہادت کا تاج انہوں نے پہن لیا تو ان کے وارثوں کو نہ صرف یہ کہ پلاٹ دیئے جائینگے بلکہ اتنا روپیہ بھی دیا جائے گا کہ وہ اس پر مکان تعمیر کر لیں

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

سلمان لمیٹڈ ۴۱۱۔ محبوب چیمبرز۔ صدر کراچی۔ فون نمبر ۵۱۶۳۸۹